فہرست مضامین

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ تا ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ **جلد پانزدہم** اکتوبر ۱۹۷۹ء تا ستمبر ۱۹۸۰ء

چودھویں جلد کے مضامین کی یہ فہرست موضوعات کے لحاظ سے ان سلسلہ وار صفحات کے حوالہ سے دی گئی ہے جو ہر صفحہ کے نیچے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ فہرست جلد کے آغاز میں لگوا لیجئے۔

نوٹ:- ماہنامہ الحق کا آغاز اکتوبر ۱۹۶۵ء سے ہوا تھا۔ اس لئے مجبوراً نئی جلد کا آغاز اکتوبر سے کیا جاتا رہا۔ اب چونکہ نئی جلد کا آغاز محرم الحرام سے ہونے لگا ہے۔ اس لئے آئندہ ہر نئی جلد کا آغاز سنہ ہجری کے حساب سے محرم الحرام سے ہوا کرے گا انشاء اللہ اگلا شمارہ پندرھویں صدی ہجری اور سولہویں جلد کا پہلا شمارہ ہوگا۔ (سمیع الحق)

نقش آغاز (اداریہ)

قرآنیات

دعوات عبدیت حق ــــ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

اسلامی نظام حکومت، قوانین فقہ اسلامی۔ دین و سیاست

تعارف و تردید فرق باطلہ ——— (اسلام دشمن تحریکیں) ۔ اشتراکیت ، مغربیت

بحث و تحقیق

مذہب ۔ سائنس ۔ جغرافیہ

علم و عمل ، نصاب و نظام تعلیم تعلیمی ادارے ، علماء مدارس عربیہ

تصوف و سلوک

تاریخ ۔ شخصیات ــــ (سیرت و سوانح)

معاشیات

لسانیات ، ادب و صحافت

ادبیات

طب و صحت

متفرقات

تبرکات و عکس تبرکات (خطوط)

دارالعلوم حقانیہ کے شب و روز

کتابیات ــــ تعارف و تبصرۂ کتب

اے۔بی۔سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر۔ دارالعلوم ــــ ۴ قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار فون نمبر۔ رہائش ــــ ۲

جلد نمبر ۱۵
شمارہ نمبر ۱۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر ــــــــ سمیع الحق

ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ
ستمبر ۱۹۸۰ء

اس شمارے میں

بدل اشتراک ــ پاکستان میں سالانہ ۲۵/- روپے فی پرچہ ۲/۵۰ روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

ضبط و ترتیب : حافظ محمد ابراہیم فانی

میدانِ علم سے میدانِ عمل میں
افاداتِ ختمِ بخاری شریف

مورخہ ۲۹ر جون ۱۹۷۸ء بروز جمعرات دارالعلوم حقانیہ کے نو تعمیر شدہ کتب خانہ کا افتتاح تقریب ختم بخاری شریف سے لیا گیا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے اپنے دستِ مبارک سے تبرکاً شرکاء دورۂ حدیث کے تقریباً ۱۲۰ فضلاء کی دستار بندی فرمائی۔ بغیر کسی تشہیر کے دور و نزد اور گرد و نواح سے بہت سے مہمان آئے تھے۔ یہ تقریب عظیم الشان جلسہ دستار بندی کا سماں پیش کر رہی تھی۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے ضعف و نقاہت کے باوجود اس موقعہ پہ مختصر مگر پُرمغز اور جامع خطاب فرمایا۔ جو کہ نذرِ قارئین ہے۔

— فانی —

خطبہ مسنونہ کے بعد۔ بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَاَنَّ اَعْمَالَ بَنِيْ آدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوْزَنُ ۔

محترم بزرگو! آپ علماء ہیں۔ اور اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ ۔ اگر کوئی شخص دولتمند ہو جائے تو ہم کہیں گے یہ قارون کا وارث ہے۔ اگر کوئی حکومت کا مالک بن جاتے ۔ ہم کہیں گے یہ شداد کا وارث ہے۔ اگر کوئی تمام دنیا کی نعمتیں حاصل کئے ہوں لیکن وہ وارث نبی نہیں۔ وراثتِ انبیاء کی چیز علم ہے وہ آپ نے حاصل کیا۔ موجودہ دور فتنوں کا دور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دور یاد کریں۔ اس وقت تمام دنیا میں آپ کی مخالفت ہو رہی تھی۔ اہل مکہ مخالفت پر اُتر آئے تھے۔ ابوطالب حضورؐ کے چچا ہیں۔ آپؐ کی سرپرستی کرتے رہے۔ لیکن قوم ان کے پاس آئی اور کہا کہ اپنے بھتیجے کو کہو کہ اگر حکومت کا طلبگار ہے یا دولت کا متمنی ہے یا کسی خوبصورت لڑکی سے نکاح چاہتا ہے۔ ہم اس کو تیار ہیں لیکن

ہمارے بتوں کی برائی بیان نہ کریں۔ چچا نے آپ کو مشرکین مکہ کا پیغام پہنچایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ چچا جان اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے میں ماہتاب رکھدیں۔ تب بھی میں اپنی تبلیغ میں ذرہ برابر کمی نہیں کر سکتا۔ میں اللہ کے حکم سے میدان میں آیا ہوں۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ ۔ اگر کوئی مجھے پتھر مارتا ہے۔ کسی نے مجھے گالی دی۔ مجھے اسکی کوئی پرواہ نہیں۔ حضور کو لوگوں نے راستہ میں گھیر لیا۔ اور پتھروں سے مارا۔ آپ کا بدن مبارک لہولہان ہوگیا۔ آپ کعبۃ اللہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا۔ حضورؐ ان کو بد دعا فرمادیں۔ حضورؐ کا نورانی چہرہ غصہ سے لال ہوا۔ فرمایا۔ کنتم خیر امۃ ۔الخ آپ سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں۔ جنہوں نے اپنے پیغمبر کے آدمی کو چیرا۔ لیکن پھر بھی وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھتے رہے۔ لب پر حرف شکایت نہیں لائے۔

محترم سامعین! ہم کو بزرگوں نے اخلاق کا جو نمونہ دکھایا تھا۔ آپ جب دارالعلوم سے باہر جائیں۔ لوگ آپ کے اخلاق و کردار کو دیکھیں گے۔ تو اسلاف کے اخلاق و کردار کو اپنائیں۔ کہ لوگ آپ کو دیکھ کر متاثر ہوں۔

امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں والد صاحب کے ساتھ حج کے لئے گیا۔ منیٰ کے میدان میں حلقہ تھا۔ اور ایک بوڑھا سفید ریش ان کے درمیان بیٹھا تھا۔ میں نے والد صاحب سے عرض کیا۔ یہ لوگ کون ہیں۔؟ والد صاحب نے کہا۔ یہ صحابیؓ ہیں۔ ان سے میں نے حدیث سنی کہ جس شخص نے خدا کی رضا کیلئے تفقہ فی الدین اختیار کیا۔ تو اسکی سرپرستی خدا کرتا ہے۔ وہ معاش سے بے فکر ہوگا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آپ جب یہاں سے جائیں۔ روٹی کا فکر ہوگا۔ مکان کا فکر ہوگا۔ یہاں اللہ نے دارالعلوم حقانیہ میں آپ کے لئے اس گرانی کے زمانہ میں دونوں وقت کھانے کا انتظام کیا ہے۔ رحم مادر میں اللہ تو جیسے بچے کی تربیت کرتا ہے۔ بغیر کسی ظاہری اسباب کے۔ تو آپ بھی اس کی کوئی فکر نہ کریں۔

ہر شخص کسی چیز کو مقصد زندگی ٹھہراتا ہے۔ یا تجارت اختیار کرتا ہے۔ یا حکومت کرتا ہے۔ یا اور کسی فکر میں مبتلا رہتا ہے۔ پس اگر آپ کا مقصد یہ ہو کہ دین پھیل جائے۔ تو حضرت امام بخاریؒ نے بَدْءُ الْوَحْیِ (کیف کان بدء الوحی) حدیث سب سے پہلے لائے۔ یعنی آپ اگر حکومت کریں یا تجارت کریں۔ تو وحی کے ماتحت کریں۔ یہ ہم کو شکل عمل دکھاتا ہے۔ اور اس کی روح چونکہ نیت ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ نے حدیث نیت بھی اس میں ذکر فرمائی تو وحی شکل عمل اور روح اسکی نیت ہے اور جزا اسکی یہ آخری حدیث ونضع الموازین ۔الخ جو کہ آخر میں ذکر کی گئی۔ کیونکہ جزا آخر میں ملا کرتی ہے۔

بعض لوگ جو کچھ کرتے ہیں۔ وہ صرف دنیا کیلئے کرتے ہیں۔ لیکن آپ جو یہاں آئے ہیں، اس لئے آئے ہیں کہ وہ امانت خداوندی جو کہ خدا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ جبرئیل سکھایا۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام حضرۃ ابوبکر صدیق وغیرہ کے ذریعہ پہنچایا۔ تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام نے ہم کو سکھایا۔ حضورؐ نے

ان کو فرمایا کہ: اَلَا بَلَّغْتُ اَعَنِّیْ۔

اب یہ امانت جو آپ نے حاصل کی اور دوسرے صحاح ستہ میں۔ یہ آپ قوم تک پہنچائیں گے۔ یہ فکر نہ کریں کہ روٹی کسطرح کمائیں گے۔ شیطان یہ وسوسہ آپ کے دلوں میں ڈالے گا۔ لیکن آپ اس کو جواب دیں کہ رحم مادر میں بچہ کس طرح زندہ رہتا ہے۔ تو جو خدائے ذوالجلال رحم مادر میں بچے کو رزق پہنچاتا ہے وہ آپ کو بھی دیگا۔ تو یہ دین امانت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَءً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاھَا وَاَدَّاھَا کَمَا سَمِعَھَا۔ تو ہمارا فرض ہے کہ اس کو پہنچائیں۔ جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے بدر کے موقعہ پہ فرمایا کہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا کہ اِذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ۔ بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں ہوں گے۔ تو ہم بھی اس دین پہ اس امانت پہ جان ومال قربان کریں گے۔ وقت بہت تھوڑا ہے۔ اور یہ دستار بھی باندھنے ہیں ——— اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث دامت ظلہٗ نے اپنا سند حدیث بیان فرمایا۔ کہ اس کے بہت سے فوائد ہیں۔ حضرت شیخ نصیر الدین فرماتے ہیں کہ میرے ایک سو بائیس[۱۲۲] مشکلات ختم بخاری شریف سے حل ہوئے اور حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی فرماتے ہیں کہ بوقت نزع مجھ کو بخاری شریف کی احادیث پڑھیں۔ تاکہ اسی حالت میں میری روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے۔

چار پانچ سال قبل ۱۳۹۵ھ میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ سی ایم ایچ نوشہرہ میں زیرِ علاج تھے۔ اسی اثنا میں ختم بخاری شریف کی نوبت آئی جبکہ آپ ہسپتال سے آکر شرکت نہیں کر سکتے تھے۔ طلبہ کی خواہش پہ آپ نے ٹیپ ریکارڈ میں بسترِ علالت سے ۴ شعبان ۱۳۹۵ھ کو یہ ارشادات ریکارڈ کرائے جو ۵ شعبان کو ختم بخاری شریف میں سنائے گئے اسے ٹیپ سے نقل کیا گیا۔

تقریر ختم بخاری شریف

خطبہ مسنونہ کے بعد۔ وبالسند المتصل الی الامام الحافظ الحجۃ امیر المومنین فی الحدیث ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم البخاری متعنا اللہ تعالیٰ بعلومہ آمین۔

ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمۃ ۔ الحدیث۔

ہم اللہ کے لاکھ لاکھ شکر گزار ہیں کہ ہم جیسے گنہگاروں کو افضل المخلوقات اشرف المخلوقات صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال احوال افعال کے پڑھانے سنانے اور ان کے مجلسِ درس میں جسکو اللہ نے اپنی مجلس فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ مَا آوَاہُ اللّٰہ۔ یہ مجلس درسِ حدیث یہ اللہ کی مجلس ہے۔ اس میں اللہ نے ہم کو شرکت کا موقع دیا اور اس پہ ہم بہت شکر گزار ہیں۔ اللہ جل جلالہ ہم کو اس نعمت کی قدر دانی کا اہل ٹھہرائے۔

بقیہ صفحہ ۵۱

جمال احمد صدیقی، لیکچرر شعبہ تاریخ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی

قسط دوم

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور مارکسی مؤرخین

ڈاکٹر محمد عمر کے مطابق شیخ فرید کی شیخ احمد سرہندی کی خط و کتابت میں جرأت اور ہمت کی کوئی عجیب بات نہیں تھی کیونکہ شیخ فرید کے علاوہ دربار اکبری اور جہانگیری کے بہت سے اہم امراء مثلاً قلیچ خان اندجانی، عبدالرحیم خاں خانخاناں عزیز کوکہ، صدر جہاں، فتح اللہ شیرازی، خواجہ جہاں اور دراب خاں بھی شیخ احمد سرہندیؒ اور شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی سے مراسلاتی تعلقات رکھتے تھے۔ جب کہ یہ دونوں بزرگ اکبر کی مذہبی پالیسی کے مخالفین کی حیثیت سے معروف تھے۔

اکبر کے لئے شیخ فرید کے جذبہ وفاداری میں کوئی شک نہیں ہے اور شیخ فرید ہی کے ایما پر اللہ داد فیضی سرہندی نے اکبر نامہ لکھا۔ جو اکبر کی تعریف و توصیف سے لبریز ہے۔ لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ شیخ فرید ہی کے منشا پر بقول ڈاکٹر محمد عمر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے صاحب زادے شیخ نورالحق نے زبدۃ التواریخ مرتب کی جس میں اکبر کے مذہبی عقائد پر سخت نکتہ چینی کی گئی ہے۔

ڈاکٹر محمد عمر کے مطابق اللہ داد سرہندی کے اکبر نامہ کا دائرہ بہت محدود تھا۔ شیخ فرید کی ہدایت پر جیسا کہ مصنف خود اعتراف کرتا ہے کہ اکبر نامہ میں اکبر کی ان جنگی مہمات کا ذکر مقصود ہے جن میں بادشاہ نے خود شرکت کی ہے۔ اس تصنیف کا تعلق علماء یا صوفیاء سرہند سے نہیں تھا۔ اس میں صرف دو عالموں حاجی ابراہیم سرہندیؒ اور ملا علی شیر سرہندیؒ (مصنف کے والد) کا ذکر محض ضمنی طور پر کیا گیا ہے نہ کہ ایک قابل ذکر عالم کی حیثیت سے۔ پروفیسر موصوف اپنے سائنٹیفک مطالعہ کی بنیاد پر یہ تو فرماتے ہیں کہ اکبر نامہ میں بہت سے علماء کا ذکر ملتا ہے[3]۔

۱؎ اکبر نامہ ص ۱۸۱ الف ۲؎ ایضاً ص ۱۴۹ ۳؎ PJHC ۱۹۶۰ ص ۲۱۳

۶۴۱

لیکن وہ چند علماء کا ذکر تو در کنار نام بتلانے سے قاصر ہیں۔ اکبر نامہ میں شیخ احمد سرہندیؒ کے ذکر کی توقع اور اس کے نہ ہونے پر شیخ کی شخصیت کے غیر اہم ہونے کا جواز تلاش کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی جب تک کہ یہ نہ طے کر لیا جائے کہ شیخ احمد سرہندی کو بہر حال بے وقعت ثابت کرنا ہے۔

پروفیسر موصوف عہدِ جہانگیری میں شیخ احمد سرہندی کے واقعہ اسیری کو تزک جہانگیری کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"یہاں ہمارا تعلق اس سے نہیں ہے کہ شیخ احمد نے جو الفاظ لکھے تھے ان سے ان کی مراد واقعۃً وہی تھی یا نہیں انہوں نے ایک پیر طریقت کے لب ولہجہ کے ساتھ ہی ساتھ ایک ملّا کا متعصبانہ آہنگ بھی اختیار کیا اور اگر ان کردار کے ادا کرنے کی کوشش میں وہ کہیں کے نہ رہے۔ تو وہ کسی ہمدردی کے مستحق نہیں[1]۔ پروفیسر جہانگیر پر شیخ احمد سرہندی کے اثرات کی نفی کرنے کی کوشش میں تزک جہانگیری کے اقتباس کو بطور دلیل پیش تو کرتے ہیں، مگر جہانگیر کے مبینہ الزام کے تجزیہ سے گریز اختیار کر جاتے ہیں۔ کیونکہ تجزیہ کی صورت میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جہانگیر کا الزام بقول پروفیسر نور الحسن، واضح طور پر ایک نقلی الزام تھا۔"[2]

الزام کی تفصیل میں نہ جا کر پروفیسر موصوف نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ چونکہ ۱۶۱۷ء میں مکتوبات کی جلد اوّل اور ۱۶۱۹ء میں جلد دوم کی اشاعت ہو چکی تھی۔ اور اب جب کہ شیخ احمد کے نظریات منظر عام پر آ چکے تھے جس کے تحت اکبر کو ملامت کی گئی۔ ہندوؤں کو مطعون کیا گیا اور شیعوں کو گالیاں دی گئی تھیں۔ اس لئے ان کو نظر انداز کرنا بہت مشکل تھا۔[3] گویا پروفیسر موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ شیخ احمد سرہندی کی گرفتاری کا اصل محرک اکبر ہندوؤں اور شیعوں کے متعلق ان کا ملامتی رویہ تھا۔ لیکن چونکہ بد قسمتی سے جہانگیر نے اس الزام کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اس لئے پروفیسر موصوف اس کی تاویل اس طرح پیش کرتے ہیں۔

"لیکن جہانگیر نے اپنی فطری ہوشیاری کی بنا پر ایسے عنوان کا انتخاب کیا جہاں اسے راسخ العقیدہ سنیوں کی پوری حمایت حاصل ہو سکے۔"[4] پروفیسر موصوف کی اس تحقیق کا جائزہ لینے سے قبل اس الزام کی مختصر تفصیل ضروری ہے جس کی بنیاد پر یہ کہا گیا ہے کہ جہانگیر نے راسخ العقیدہ سنیوں کی حمایت حاصل کی تھی۔

اس الزام تراشی کی بنیاد شیخ احمد سرہندی کا گیارہواں مکتوب (جلد اول) ہے۔ جو انہوں نے اپنے پیر حضرت خواجہ باقی باللہ (جن کی وفات ۱۶۰۷ء میں ہو چکی تھی۔) کو لکھا تھا اور جس میں انہوں نے اپنے روحانی عروج

---

[1] PJHC ۱۹۶۰ء ص ۲۱۴ [2] ڈاکٹر نور الحسن PJHC ۱۹۶۰ء ص ۲۵۶ [3] PJHC ۱۹۶۰ء ص ۲۱۳
[4] ایضاً ص ۲۱۳

سے متعلق ایک خواب کا ذکر کیا تھا[۱] اس خط سے معترضین نے یہ مفہوم نکالا کہ شیخ خود کو حضرت صدیق اکبرؓ سے بھی افضل سمجھتے ہیں۔ شیخ نے اس غلط فہمی کے ازالہ کی خاطر شیخ بدیع الدین کو ایک خط لکھا[۲]۔ اس کے بعد مزید وضاحت کے طور پر حکیم فتح اللہ گیلانی کو لکھا کہ "وہ شخص جو اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر سے افضل جانے اس کا امر دو حال سے خالی نہیں یا وہ زندیق محض ہے یا جاہل ہے[۳] اس کے علاوہ شیخ احمد سرہندی نے دیگر مکتوبات میں خلفاء راشدین کی فضیلت کا بار بار ذکر کیا ہے[۴] دونوں جلدیں ۱۶۱۹ء تک شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی تھیں۔ اور تیرہ برس قبل لکھے ہوئے خط کے سلسلہ میں جو غلط فہمی پیدا ہوئی تھی اسے رفع ہو جانا چاہیے تھا۔ جلد اول کے مکتوبات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ کے متنازع فیہ خط کی شہرت اس کی اشاعت سے قبل ہو چکی تھی۔

داراشکوہ لکھتا ہے کہ شیخ پر یہ تہمت کہ وہ خود کو خلفائے راشدین سے افضل سمجھتے ہیں مخالفین کے افترا اور بہتان کا نتیجہ تھا[۵] داراشکوہ مزید لکھتا ہے کہ شیخ میرک (شہزادہ خرم کے اتالیق) نے خود اسے یہ بتایا ہے کہ ایک بار جب وہ سرہند گئے تو انہوں نے شیخ سے ان کے متنازعہ فیہ خط کی وضاحت چاہی۔ شیخ نے انہیں خط دکھا کر افضلیت کے الزام کی تردید کی۔ جس پر شیخ میرک مطمئن ہو کر لوٹے[۶] اس سلسلے میں پروفیسر نور الحسن کا تجزیہ قابل غور ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"شیخ کی اسیری بلاشبہ نورجہاں کی شاہی مجلس مشاورت کے زیر اثر عمل میں آئی اور ان کی رہائی ان پر آشوب زمانے میں مشتعل سنی رائے عامہ کو مطمئن کرنے کی تدبیروں میں سے ایک تھی۔ یہ واقعہ بجائے خود شیخ احمد کے ایک روحانی پیشوا کی حیثیت سے با اثر مقام کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے جو اسلامی اقلیت کے رجحان میں انہیں حاصل تھا[۷]

مندرجہ بالا تفصیل سے جہانگیر کی الزام تراشی اور "راسخ العقیدہ سنیوں کی حمایت" کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ جہانگیر کے لفظ "عوام" کی جگہ پروفیسر عرفان صاحب نے بربنائے مصلحت "راسخ العقیدہ سنیوں" کی اصطلاح کو منتخب کیا۔ اور وہ یہ بھول گئے۔ کہ انہوں نے اپنی اسی مقالہ میں یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جہانگیر نے راسخ العقیدہ طبقہ کی پرواہ نہیں کی۔ اور جہانگیر بھی اکبر ہی کی طرح مذہبی معاملات میں آزاد

---

۱ مکتوبات جلد اول ص ۱۱ ۲ مکتوبات جلد اول ص ۱۹۳ ۳ ایضاً ص ۲۰۲ ۴ ملاحظہ ہو مکتوبات جلد اول ص ۲۵۱ و دوم ص ۱۵ اور ۶۷ ۵ سفینۃ الاولیا نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۲ء اور ص ۱۹۰ ۶ ایضاً ص ۱۹۷، ۱۹۸ ۷ ڈاکٹر نور الحسن حوالہ سابقہ ص ۲۵۷

خیال واقعہ ہوا تھا۔[۱]

یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ آخر جہانگیر کو کیا امر مانع تھا کہ الزام تراشی کی فہرست میں شیخ احمد سرہندی کی ملامتی مہم جو بقول پروفیسر موصوف سزا کی اصل وجہ تھی وہ کوئی ذکر بھی نہیں کرتا۔ درحقیقت پروفیسر موصوف ہندوتوں کے خلاف شیخ کے نظریات کو جس جارحانہ انداز میں پیش کرنا چاہتے ہیں اس کی اکبر یا جہانگیر کے عہد میں کوئی حقیقت نہ تھی۔ لیکن طبقاتی کشمکش کے علمبردار پروفیسر موصوف اور ان کے ہمنوا ہر دور میں فساد خلق ثابت کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔

جہاں تک شیخ احمد سرہندی کا ایک پیر طریقت اور ملّا کی حیثیت سے ناکامی کا تعلق ہے پروفیسر موصوف اپنی نظریاتی عصبیت میں اس قدر غرق ہیں کہ وہ ان دونوں حیثیتوں سے صرف شیخ احمد سرہندی ہی نہیں بلکہ کسی کے مقام کو بھی سمجھنے سے معذور ہیں۔ ان کے پاس صرف ایک ہی عینک ہے جس سے وہ ہر مذہبی یا روحانی پیشوا اس کا تعلق خواہ کسی بھی مذہب، نسل اور رنگ سے ہو۔ اس میں جارحانہ فرقہ پرستی، متشدد عصبیت اور تنگ نظری کے جراثیم کے علاوہ اور کچھ دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اور اپنی اس معذوری اور مجبوری کی بنا پر وہ ہماری ہمدردی کے بہرحال مستحق ہیں۔

شیخ احمد سرہندی کے انتقال کے بعد نقشبندیہ، مجددیہ سلسلہ کا جو اثر ہم مغل بادشاہوں یا سیاست پر پاتے ہیں اس کے متعلق پروفیسر عرفان حبیب اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ "لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اپنے انتقال کے بعد انہوں نے (شیخ احمد سرہندی) نے مغل سیاست پر اپنا اثر قائم رکھا کیونکہ بظاہر ان کے لڑکے شیخ معصوم نے اورنگ زیب کو جب کہ وہ شہزادہ تھا ایک خط لکھا تھا اس لئے یہ فرض کر لیا گیا کہ اورنگ زیب مجدد کے اس صاحبزادے (شیخ محمد معصوم) کا مرید تھا۔ فی الواقعہ اورنگ زیب کے عہد کا بے رحم طنز نگار نعمت خان عالی گولکنڈہ کے محاصرہ (۱۶۸۷) کا ذکر کرتے ہوئے شیخ احمد کو "پیر و مرشد" حضرت پیر مرشد لکھتا ہے۔ لیکن واضح طور سے یہ ایک طنزیہ عبارت ہے۔ نہ کہ ایک امر واقعہ کیونکہ یہ ایک ایسی طویل عبارت کی تمہید ہے جس میں شیخ اور ان کی اولادوں کا مذاق اڑایا گیا ہے۔[۲]

پروفیسر موصوف اپنی تصنیف "اگیریرین سسٹم آف مغل انڈیا" میں بھی شیخ احمد سرہندی کا ذکر کرتے ہوئے اسی بے رحم طنز نگار کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "لیکن شیخ اور ان کے پوتوں کے نظریات اس وقت کے ایک موثر طنز نگار کے قلم سے وقائع نعمت خاں عالی میں ملاحظہ ہوں۔[۳]

---

[۱] PHC ۱۹۶۰ء، ص ۲۱۳ [۲] PHC ۱۹۶۰ء، ص ۲۱۶ [۳] مغل ہندوستان کا طریق زراعت (اردو ترجمہ) مترجم جمال محمد صدیقی ترقی اردو بورڈ دہلی ۱۹۷۷ء نیشنل بک ٹرسٹ ص ۴۲۵ حاشیہ ۲

شیخ محمد معصوم اور ان کے لڑکوں سے اورنگ زیب کے روابط کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں "اورنگ زیب نے اپنا رابطہ شیخ احمد سرہندی کے صاحبزادے شیخ محمد معصوم سے جب کہ وہ شاہزادہ تھا قائم کر لیا تھا۔ ان کے مکتوبات کی تین جلدیں (وسیلۃ السعادت، درۃ التاج اور مکتوبات معصومیہ) میں ہم اورنگ زیب کے نام خواجہ معصوم کے چھ خطوط پاتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کی درخواست پر خواجہ معصوم نے اپنے صاحبزادے شیخ سیف الدین کو اورنگ زیب کی باطنی تربیت پر مامور کیا تھا جب شیخ سیف الدین نے اپنے والد کو اورنگ زیب کے احوال سے مطلع کیا تو انہوں نے لکھا کہ طبقۂ سلاطین میں اس قسم کے امور حکم عنقا رکھتے ہیں اور بادشاہ کی باطنی ترقی پر اطمینان کا اظہار کیا۔ ایک خط میں اورنگ زیب نے آپ کو بارگراں بار جہانداری اور حسن خاتمہ کے متعلق لکھا تھا۔ خواجہ معصوم کے ایک دوسرے صاحبزادے محمد نقش بند کا بھی اورنگ زیب سے کئی برسوں تک قریبی رابطہ رہا ہے۔ ان کے مکتوبات مجموعہ وسیلۃ القلوب باللہ والرسول میں بادشاہ کے لکھے ہوئے کئی خطوط ملتے ہیں اپنے ایک دوست کے نام ایک خط میں وہ لکھتے ہیں "بادشاہ دین پناہ از کمال اخلاص وعنایت از خود رجائی فرمودند"[1]

شیخ محمد معصوم اپنے ایک مکتوب میں جو بظاہر اورنگ زیب کے خط کا جواب ہے لکھتے ہیں۔

الحمد للہ والمنۃ کہ فقیر زادہ (شیخ سیف الدین) منظور نظر قبول ہو گیا ہے۔ اور اس کی صحبت مؤثر ثابت ہوئی ہے[2] ایک دوسرے خط میں خواجہ معصوم اورنگ زیب کو لکھتے ہیں "اس سے پہلے فقیر زادے کے خط میں کیفیت سبق باطن لکھ چکا ہوں نظر عالی سے گذرا ہو گا۔ آپ نے دعا اور توجہ غائبانہ کی طلب اس شکستہ دل سے کی ہے[3]" مراۃ العالم کے مصنف بختاور خاں کا حوالہ بھی ملاحظہ ہو" وہ شیخ سیف الدین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے" بادشاہ نے ان معارف پناہ کو سرہند سے جہاں وہ پیدا ہوئے اور تربیت پائی تھی اپنے حضور بلایا اور طرح طرح کے اعزاز واکرام اور الطاف خسروانہ سے سرفراز کیا اور چند مرتبہ وہ اس سلالہ کرام کے گھر جو قلعہ شاہجہان آباد کے قریب ان کو رہنے کے لئے دیا گیا تھا حاضر ہوا اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوا[4]"

مندرجہ بالا شواہد اورنگ زیب کے شیخ احمد سرہندی کے اولادوں سے گہرے عقیدت مندانہ روابط اور تعلقات کو واضح کرنے کے لئے کافی ہونے چاہئیں۔ پیر اور مرید کی لفظی اصطلاح میں نہ جا کر اگر محض یہ کہا جائے کہ

---

[1] پروفیسر خلیق احمد نظامی حوالہ سابقہ صہ ۴۹، ۵۰ [2] مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی تلخیص و ترجمہ مولانا نسیم احمد امروہی کتب خانہ الفرقان دہلی ۱۹۷۰ء مکتوب ۲۲۱ صہ ۲۸۳ [3] ایضاً مکتوب ۲۲۷ صہ ۲۸۵ [4] بختاور خاں، مرآۃ العالم (نسخہ عبدالسلام کلکشن علیگڑھ صہ ۲۲۹ ب

اورنگ زیب کی باطنی تربیت اور ذہنی تشکیل میں ان بزرگوں کا بہت حصہ رہا ہے۔ تو یہ صرف ایک عقیدہ یا مفروضہ نہ ہوگا۔ مفروضہ درحقیقت یہ ہے کہ شیخ معصوم نے اورنگ زیب کو صرف ایک ہی خط لکھا تھا۔

پروفیسر عرفان حبیب اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔

"یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اورنگ زیب کی ابتدائی دس سال کی مفصل سرکاری تاریخ عالمگیر نامہ میں شیخ احمد کے لڑکے محمد سعید اور معصوم کا صرف مختصر حوالہ نقد انعام کے وصول کنندہ کی حیثیت سے دو جگہوں پہ ملتا ہے۔ ان کی تعریف ایک جملہ کے واحد فقرہ میں اس طور پہ کی گئی ہے کہ وہ شیخ احمد جیسے صوفی کے ورثا ہونے کے مستحق ہیں۔ شیخ کے مجدد ہونے یا ان کی بنیادی تعلیمات کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا ہے"[۱] تاریخی دیانتداری کا تو یہ تقاضہ تھا کہ پروفیسر موصوف اصل متن کا مکمل ترجمہ پیش کر کے اپنے نتائج اخذ کرتے لیکن پروفیسر موصوف نے اصل عبارت کے مفہوم کو اپنے نتائج کے جامہ میں اس انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ ذم کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ عالمگیر نامہ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:-

"شیخ محمد سعید اور شیخ محمد معصوم پسران شیخ مغفور و مرحوم واقف اسرار حقائق و علوم شیخ احمد سرہندی کہ در ہر یک فضائل و کمالات صوری و معنوی خلف الصدق آں سالک مسالک طریقت و عرفان است با انعام سہ صد اشرفی"[۲]

دوسری جگہ یہ تحریر ہے "بتقوی شعار شیخ محمد سعید خلف شیخ احمد سرہندی خلعت دو ہزار روپیہ"[۳]

مرآۃ العالم کا مصنف بختاور خاں لکھتا ہے کہ بادشاہ (اورنگ زیب) کی استدعا پہ شیخ محمد سعید چند بار بادشاہ کے پاس گئے۔ اور اس نے شیخ کو توقیر و تکریم سے مخصوص کیا[۴]

عالمگیر نامہ کی جو عبارت پیش کی گئی ہے اور جس کا حوالہ پروفیسر موصوف نے بھی دیا ہے۔ اس کے متعلق یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی کے صاحبزادوں کا ذکر صرف نقد انعام پانے والوں کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ اور ان کی تعریف میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ وہ شیخ احمد سرہندی ایسے صوفی کے ورثا ہونے کے مستحق ہیں محمد کاظم (صاحب عالمگیر نامہ) واضح الفاظ میں یہ کہتا ہے کہ فضائل و کمالات صوری و معنوی اعتبار سے وہ شیخ احمد سرہندی کے خلف صادق ہونے کے مستحق ہیں اور شیخ احمد کو محض "ایسے صوفی" نہیں کہا گیا ہے۔ بلکہ لفظ "ایسے" کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ چنانچہ شیخ احمد سرہندی کے اوصاف تحریر کرنے کے بعد یہ لکھنا کہ ان کے صاحبزادے خلف صادق ہیں صاف ذہن رکھنے والوں کے سمجھنے کے لئے کافی ہونا چاہئے۔ شیخ احمد سرہندی کو اس عبارت میں مجدد نہیں کہا

---

[۱] ۱۹۸۷ء، ص ۲۱۶-۲۱۶ [۲] محمد کاظم عالمگیر نامہ ببلیوتھیکا انڈیکا کلکتہ ج ۱ ص ۲۹۳ [۳] ایضاً جلد ۲ ص ۵۹۵ [۴] مرآۃ العالم ص ۲۱۹ الف

گیا ہے۔ جیسے پروفیسر موصوف ان کے مجدد نہ سمجھے جانے کی دلیل میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ مگر عالمگیر نامہ کے مصنف نے شیخ کی جن خصوصیات کا اعتراف کیا ہے کیا وہ پروفیسر موصوف کے نزدیک قابل لحاظ نہیں؟ عالمگیر نامہ میں شیخ احمد سرہندی یا کسی بھی پیر طریقت کی دنیاوی یا دینی تعلیمات کی تلاش بے محل ہے۔ کیونکہ مصنف کا مقصد تحریر اورنگ زیب کے سیاسی کارناموں کو قلم بند کرنا تھا جس طرح اللہ داد فیضی سرہندی کا مقصد اکبر نامہ میں اکبر کی ان جنگوں کا ذکر تھا۔ جن میں اکبر نے بنفس نفیس شرکت کی تھی۔ عالمگیر نامہ کا شمار ملفوظات یا مکتوبات کی فہرست میں نہیں کیا جاتا۔ اس جگہ پروفیسر موصوف کی یہ غلط فہمی بھی رفع کر دینا مناسب ہوگا کہ اسلام کے ماننے والوں کے نزدیک دنیاوی اور دینی تعلیمات دو مختلف معیار عمل نہیں ہیں۔

منفی شواہد کی بنیاد پر اپنے استدلال کو پیش کرنے کی کوشش میں پروفیسر مذکور نے اورنگ زیب کے عہد کے ان ماخذ کی مخصوص نشاندہی کی ہے جن میں شیخ احمد سرہندی یا ان کی اولادوں کا ذکر نہیں ملتا۔ اور جن ماخذ میں ذکر ملتا ہے وہ پروفیسر موصوف کے نزدیک لائق اعتنا نہیں ہیں۔ منفی شواہد کو اگر تاریخ نویسی کی بنیاد بنا لیا جائے تو تاریخ عالم کو از سر نو مرتب کرنا پڑے گا۔ اور ہر مورخ کو اپنے مخصوص مقاصد اور عقائد کے تحت تاریخ مرتب کرنے کی آزادی حاصل ہو جائے گی۔ منفی پہلوؤں کو ان کے تناسب سے زیادہ نمایاں کر کے تاریخی واقعات کا ایک تخریبی اور خود ساختہ تجزیہ پیش کرنا مارکسی مکتب خیال کے مورخوں کا کارنامہ ہے۔ اور اس پر ستم ظریفی یہ کہ سائنٹفک مطالعہ کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے۔ پروفیسر موصوف اس کے شاکی ہیں کہ اسلامی مکتب خیال کے مورخوں کی یہ ایک عام عادت ہے کہ بزرگوں کے وہ اقوال جو ایک متعینہ تشریح پر مکمل طور پر پورے نہ اترتے ہوں انہیں حذف کر دیا جائے[1]۔ جہاں تک حذف و ترک کا سوال ہے پروفیسر موصوف کا موجودہ مقالہ اس کا بہترین شاہکار ہے ع

اس گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

پروفیسر عرفان حبیب نے شیخ محمد معصوم کا اورنگ زیب کے پیر ہونے اور شیخ احمد سرہندی اور ان کی اولادوں کے نظریات کے ضمن میں وقائع نعمت خان عالی کا حوالہ دیا ہے[2]۔ قبل اس کے کہ اس موضوع پر اظہار خیال کیا جائے نعمت خان عالی کی تحریر کے چند اقتباسات کے ترجمے پیش کرنا مناسب ہوگا تاکہ پروفیسر موصوف کے نظر انتخاب کی داد دی جا سکے۔ نعمت خاں اورنگ زیب کے پینتیسویں سن جلوس کے ضمن میں محاصرۂ قلعہ گولکنڈہ کا ذکر کرتے ہوئے شیخ احمد سرہندی کے ایک نبیرہ کے خواب کا ذکر کرتا ہے۔ پس منظر یہ ہے کہ قلعہ فتح نہیں ہو رہا اور بادشاہ متفکر ہے۔ کہ عالم خواب میں نبیرہ کی ملاقات اپنے دادا شیخ احمد سرہندی سے ہوتی ہے[3]۔ "دادا

---

[1] [illegible] PHC ۱۹۶۰ ص ۲۱۶ حاشیہ ۵ اور مغل ہندوستان کا زرعی زراعت ص ۴۲۵ [2] [illegible] [3] وقائع نعمت خاں عالی نولکشور کانپور ۱۸۷۰ ص ۲۵ تا ۳۰

نے کہا کہ اے میرے لڑکے ! نذر و نیاز کے حلوہ کو تو اکیلا ہی کھا جاتا ہے اور ہمارا حصہ نہیں بھیجتا۔ شیخ نے کہا اے میرے محترم دادا جان۔ آج کل خواص و عوام کی پریشانی کے سبب حلوہ بہت کم جمع ہوتا ہے۔ اور مرید بھی ہمارے درپے آزار ہیں کہ مردہ کو نان و حلوہ نہیں دیتے۔ میں خود ان لوگوں سے پریشان ہوں۔" (شیخ نے کہا) دادا جان اس قلعہ کی فتح کے لئے توجہ فرمائیے۔ پھر آپ کو بہت سا حلوہ ملے گا۔ سبحان اللہ! مشہور ہے کہ حلوہ تو امن کی حالت میں ہوتا ہے جس کی خواہش وہ دوران جنگ کر رہے ہیں۔ یہ سب ان بزرگوں کی کرامتیں ہیں۔"

"اس بلند مرتبہ نے اس بار فرمایا کہ اب جلدی بیدار ہو جا اور خوشخبری پہنچا کہ انہیں دو تین دنوں میں ہم قلعہ کو لے کر دے دیں گے اور قلعہ کے سب لوگوں کو گرفتار کر لیں گے۔ نہ اپنوں کو چھوڑیں گے اور نہ بیگانوں کو۔ لیکن وہ تھیلی جو خلیفہ نے اپنے دست مبارک میں پکڑ رکھی ہے مناسب نہیں کہ اسے خاک آلود کرے۔ یا خفا اور پاؤں کے نیچے ڈال دے اسے چاہئے کہ سونے سے بھر کر میرے فرزند کو دے دے۔"

خواب سے بیدار ہونے کے بعد شیخ مقربین دربار سے یہ معلوم کرتے ہیں کہ وہ مقدس تھیلی کتنی بڑی ہے۔

اس واقعہ کو تحریر کرنے کے بعد نعمت خان ایک منظوم حکایت تحریر کرتا ہے جس میں شیخ کے کشف اور خواب کی صداقت کا ذکر کیا گیا ہے۔ شیخ نے ایک بار شیطان کو خواب میں دیکھا جس سے شیخ نے سخت لعنت اور ملامت کرتے ہوئے کہا۔ کہ تو عوام الناس کو گمراہ کر رہا ہے۔ غصہ کے عالم میں شیخ نے شیطان کو دو بار مارا اور اس کی داڑھی پکڑ لی۔ اچانک شیخ کی آنکھ اپنے ہی ہاتھ کی ضرب سے کھل گئی اور انہوں نے اپنے ہاتھ میں خود اپنی داڑھی پائی۔ شیخ کو جب اپنا خواب یاد آیا تو ان پر یہ کشف ہوا کہ خواب میں بصورت شیطان وہ خود تھے[1]

شیخ احمد سرہندی اور ان کی تعلیمات سے واقف لوگ نعمت خاں کی اس تحریر کی حیثیت اور وقعت کا اندازہ لگا سکتے ہیں جس کی تفصیل میں یہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نعمت خاں واضح طور پر شیخ احمد سرہندی اور ان کی اولاد کو انتہا درجہ حریص۔ فاتر العقل اور فریبی کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے اور چونکہ پروفیسر موصوف بھی اسی قسم کے خیالات رکھتے ہیں۔ اس لئے نعمت خاں کی اس تحریر کا حوالہ بطور ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ نعمت خاں کی تحریر کی شقاوت کو طنز یہ عبارت کہہ کر کم نہیں کیا جا سکتا۔ بدیہی طور پر نعمت خاں ایک دریدہ دہن اور غیر سنجیدہ مورخ ہے جس کی عبارت میں طنز کم تذلیل اور تحقیر بہت زیادہ ہے۔

سر ایچ ایم ایلیٹ کے مطابق خود وقائع نعمت خاں عالی کی کوئی تاریخی اہمیت نہیں ہے۔ وہ مزید لکھتا ہے " گو کہ یہ تصنیف بہت خوش اسلوب انداز بیان میں تحریر کی گئی ہے۔ لیکن اس کے ناشائستہ مذاق اور

---

[1] وقائع نعمت خاں عالیؒ ص ۲۹

گھٹیا بازاری فقرے اکثر قاری کے احساس لطیف کو مجروح کرتے ہیں جس سے لطف اندوز ہونے کا یہ مصنف بہت زیادہ عادی تھا[1]

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ جب شیخ احمد سرہندی اور ان کی اولادوں کے نظریات سمجھانے کی ضرورت پروفیسر موصوف کو پیش آئی تو ان کی نظر انتخاب نعمت خاں کی اس گمراہ کن عبارت پر پڑی جس کے وہ بظاہر ہم خیال بھی نظر آتے ہیں لیکن جب نعمت خاں نے اسی عبارت میں یہ تحریر کیا کہ شیخ احمد بادشاہ کے پیر کے پیر و مرشد ہیں تو پروفیسر موصوف کو اچانک یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ امر واقع نہیں بلکہ یہ ایک طنز یہ عبارت کی تمہید ہے جس میں شیخ احمد اور ان کی اولادوں کا مذاق اڑایا گیا ہے ۔ اس لئے یہ تحریر اب لائق اعتبار نہیں رہی۔ جب نعمت خاں کو لائق اعتبار بنانا طے کیا تو اسے ایک مؤثر طنز نگار (EFFECTIVE SATINIST)[2] کی صفت سے موسوم کر دیا اور جب نعمت خاں کی بے وقعتی منظور ہوئی تو اسے ایک بے رحم طنز نگار (SATINIST MERCILESS)[3] کی تہمت سے نوازا۔ گویا ایک ہی عبارت حسب مطلب اعتبار اور نا قابل اعتبار دونوں ہے ۔ صفتوں کا یہ تضاد، معیار سند کا یہ پیمانہ اور تخریبی تاریخ نویسی کی یہ مثال کسی وضاحت کی محتاج نہیں ۔ صرف اسی قدر کہنا کافی ہے کہ پروفیسر موصوف خالص مارکسی مکتب خیال کے ایک مشہور مبلغ اور مؤرخ ہیں ۔

مقالہ کے اختتامی پیراگراف میں اپنے معروضی تحقیق کا خلاصہ پروفیسر عرفان حبیب یوں پیش کرتے ہیں فی زمانہ ان دونوں (شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ) کا سیاسی رہنماؤں میں شمار اور انہیں سیاسی کام انہوں سے سرفراز کرنے کی کوشش کے پیش نظر ان کے افکار اور کارناموں کے متعلقہ پہلوؤں کا ایک سائنٹیفک مطالعہ بہر حال ضروری ہے ۔ ایسے مطالعہ میں اشخاص کا پاس ادب نہیں کیا جاسکتا ۔ مفاہیم افسانوں اور مبالغہ آمیز نتائج کو خارج کر دینے کے بعد ایسا کچھ نہیں رہ جاتا جس کی بنا پر ان دونوں کو ہیرو یا کوئی غیر معمولی شخصیت قرار دیا جا سکے ان کی مدح سرائی موجودہ تفرقہ پسند روایت کا صرف ایک جز ہے جو ہماری تاریخ کے اصل معمار اور قوائے محرکہ کے بالمقابل ان اشخاص کی تسکین اور فیضان حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے ۔ جن کی کوئی بھی حقیقت نہ تھی[4] اپنی تصنیف ایگریرین سسٹم آف مغل انڈیا میں بھی پروفیسر موصوف نے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے شیخ احمد سرہندی کے متعلق لکھا ہے کہ " ایسے شخص کا موجودہ ہندوستان کے فرقہ پرست مسلمانوں کے امام

---

[1] HISTORY OF INDIA - AS TOLD BY ITS HISTORINS کتاب محل الہ آباد جلد ۷ صہ ۲۰۱

[2] عرفان حبیب ایگریرین سسٹم آف مغل انڈیا صہ ۳۱۰ حاشیہ ۵۲ [3] PQHC ۱۹۶۰ء ۲۱۶

[4] PQHC 1960 220

کے درجہ پر فائز ہونا بہر حال کوئی اتفاقی امر نہیں ہے[1]

اپنے اس "غیر مہذب"[2] مقالہ کی مدافعت کی کوشش میں پروفیسر عرفان حبیب نے خواہ مخواہ بہ معذرتی رویہ اختیار کیا کہ "ایسے مطالعہ میں اشخاص کا پاس ادب نہیں کیا جا سکتا" کیونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ادب، اخلاق، احترام رواداری اور اس قسم کے دیگر اوصاف جن کا تعلق عام ضابطہ اخلاق سے ہے مارکسی نظریہ میں کوئی مقام نہیں ہے[3] شیخ احمد سرہندی کے کارناموں کا تجزیہ کرتے کرتے پروفیسر مذکور جذبات کی رو میں تاریخ کے موضوع سے اس قدر گریز کر گئے ہیں کہ یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ مارکسی نظریہ کی تبلیغ میں مصروف ہیں[4] جس میں ان کی ذاتی عصبیت کا عنصر بھی نمایاں ہے۔ ہمعصر تاریخی شواہد کو مقدس افسانہ اور مبالغہ آمیز نتائج کا نام دے کر تسکین تو حاصل کی جا سکتی ہے۔ شیخ احمد سرہندی کو تنگ نظر، فرقہ پرست اور متعصب کے خطابات سے نواز کر نام تو کمایا جا سکتا ہے اور ان بزرگان دین کی آڑ میں خود مسلمان قوم اور ان کے عقائد کا مضحکہ بھی اڑایا جا سکتا ہے۔ مگر تاریخی حقائق کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

"عوامی رہنما" کی اصطلاح کی طرح تاریخ کے اصل معیار (جس سے غالباً پروفیسر موصوف کی مراد کارل مارکس اور اور اس کے ہم مسلک معروف شخصیتیں ہوں گی) کی فہرست میں بھی گذشتہ بیس برسوں میں خود مارکسی نظریہ کے حامیوں کے ہاتھوں جو رد و بدل واقع ہوئی ہے اس کے پیش نظر پروفیسر موصوف کے یہ فقرے اب نظر ثانی کے محتاج معلوم ہوتے ہیں۔

شیخ احمد سرہندی کے نظریات اور افکار کا تجزیہ اس طور پر پیش کرنا کہ ان کے کارناموں میں سوائے ایک علامتی اہم کے کچھ بھی نظر نہ آ سکے یہ ظاہر کرتا ہے کہ پروفیسر موصوف نے شیخ احمد سرہندی کی تاریخی اور واضح سیاسی کارناموں

---

[1] مغل ہندوستان کا طریق زراعت (اردو ترجمہ) صفحہ ۲۴۶، حاشیہ ۲ صفحہ ۲۵۴ [2] پروفیسر سائمن ڈگبی نے اس مقالہ کو SARAGE ARTICLE کہا ہے، دیکھئے BULLETIN OF THE SDIOOLOE ORIENTAL AND AFRICAN STUDIES UNIVERSITY OF LANSN VOL XXX 1967 RESIEW) P. 207

[3] دیکھئے KARL MARX AND FRDINCK EVGBS SELICTED WORKS P.25.

[4] مارکسی تاریخ نویسی کی تبلیغ کے لئے دیکھئے پروفیسر عرفان حبیب PROBLEMS OF MARXIST — HIOTORICAL ANALYSIS SCIENCE AND HUMAN PROGRES POPULAR PRAKAOHAN 1974 BOMBAY P.P. 46-47

نظر انداز کرنے کی دانستہ کوشش کی ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے مطابق انہوں (شیخ احمد سرہندی) نے تصوف کی اصطلاحوں کی وضاحت اور ان کے مفہوم کے تعین میں اہم کردار ادا کیا۔ اسی وجہ سے ان کے مکتوبات کا عربی اور ترکی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اس امر کی بھی نشاندہی کی جا سکتی ہے کہ گو عہد وسطیٰ میں بہت سی صوفی تحریکوں نے ہندوستان میں فروغ پایا لیکن صرف نقشبندی مجددیہ سلسلہ ہی پنجاب سے باہر افغانستان اور وسط ایشیا اور ترکی پہنچا[1] ان دور دراز ملکوں میں نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کی مقبولیت اس بات کی بھی شہادت فراہم کرتی ہے کہ شیخ احمد سرہندی کے نظریات کو صرف ایک ملائتی مہم سمجھنا کس قدر غیر تحریکی اور غیر حقیقی تجزیہ ہے۔

پانچسو چھتیس مکتوبات کے مجموعہ میں صرف گیارہ[2] واضح یا غیر واضح خطوط ایسے ہیں جن میں شیخ احمد سرہندی نے ہندوؤں کے متعلق تلخ جذبات کا اظہار کیا ہے۔ عددی اعتبار سے یہ کل مجموعہ کا صرف دو فیصد ہے۔ مجموعہ کے صرف دو فیصد جزو کی بنیاد پر شیخ کے نظریات اور افکار کو ہندوؤں کے خلاف ایک علامتی مہم کا رنگ دینا تاریخ کے ساتھ سراسر بے انصافی ہے۔ شیخ احمد سرہندی کے معتقدین جو نہ صرف ہندوستان بلکہ افغانستان ، وسط ایشیا اور ترکی تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک شیخ کو امام کے درجہ پر فائز کرنے کی وجہ شیخ کے یہ دو فیصد خطوط کبھی نہیں رہے اور نہ ان کے مداحوں نے دو فیصد خطوط کو کبھی کوئی غیر معمولی اہمیت ہی دی۔ ان کے نزدیک شیخ کے ان خیالات کی اہمیت ان کی ایک وقتی کیفیت سے زیادہ کبھی نہیں رہی[3] پروفیسر موصوف نے ان دو فیصد خطوط کو مبالغہ آمیز انداز سے پیش کر کے دراصل شیخ احمد سرہندی اور دیگر ائمہ دین بشمول ان کے معتقدین ماضی تا حال کے خلوص نیت پر جارحانہ حلہ کرنے کا جواز تلاش کیا ہے۔ جو ایک سستی شہرت پسند تاریخ نویسی کے وسیلہ کے علاوہ مارکسی انداز فکر کی حقیقت کو بھی عریاں کرتا ہے۔

کردار کشی کی یہ مہم جس میں پروفیسر موصوف مصروف کار نظر آتے ہیں۔ اس کے سلسلہ میں صرف یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ وہ اس عقیدہ کے پابند ہیں جس کے بانی کارل مارکس نے فلسفہ مادیت کی اہمیت کے ضمن میں یہ لکھا ہے کہ سماج میں بنیادی انقلابی تبدیلیاں کسی بڑے آدمی یا کسی بڑی روحانی تحریک کا نتیجہ نہیں ہوتی ہیں[4]۔ اور بحیثیت ایک معتقد کے پروفیسر عرفان حبیب کارل مارکس کے اس نظریہ کی صداقت کو بہر حال ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اپنے اس مقصد میں وہ کہاں تک اور کس طرح کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑا جاتا ہے :

---

[1] پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ صدارتی خطبہ پنجاب ہسٹری کانفرنس۔ آٹھواں سیشن پٹیالہ ۱۹۷۳ء ص ۹ [2] دیکھئے مکتوبات جلد ۱ ۲۳-۴۷-۴۸-۵۴-۶۵-۸۱-۱۳۹-۱۶۳-۱۶۷-۱۹۳-۲۶۹ اور جلد ۲ - ص ۹۲ [3] شیخ محمد اکرم رود کوثر کراچی طبع ثانی ص ۲۱۴ [4] مارکسزم ایک مطالعہ۔ ظفر امام دہلی ۱۹۷۱ ص ۱۴۷

جناب ڈاکٹر محمد ایوب قادری

حضرت سید احمد شہیدؒ کی اردو تالیفات

سید احمد شہید[۱]، تحریک جہاد کے قائد اور رہنما تھے انہوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ اصلاح معاشرہ کے لئے سخت جدوجہد کی۔ ان کے ہاتھ پر بہت سے علماء نے بیعت کی اور تبلیغ و تذکیر کے فرائض بڑے پیمانے پر انجام دئے سید احمد کے رفقاء نے اظہار خیال کا ذریعہ اردو زبان کو بنایا۔ خود سید احمد شہید کے اردو زبان میں دو رسالے۔ (۱) تفسیر سورہ الحمد اور (۲) رسالہ حقیقت الصلوٰۃ یادگار ہیں۔

سید احمد بن محمد عرفان، تکیہ رائے بریلی (اودھ) میں ۶ صفر ۱۲۰۱ھ - ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ء کو پیدا ہوئے۔ کافیہ تک تعلیم ہوئی حصن حصین بھی پڑھی تھی۔ خطوط پڑھ اور لکھ بھی لیتے تھے[۲]۔ شاہ عبدالقادر دہلوی نے تعلیم و تربیت فرمائی۔ شاہ عبدالعزیز کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ سات سال تک امیر خان کے لشکر سے وابستہ رہے اس کے بعد دہلی آئے اور بیعت و ارشاد کا سلسلہ شروع کر دیا۔ شاہ اسمٰعیل اور مولوی عبدالحیٰ ایسے علماء ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اس کے بعد دوآبہ کا دورہ کیا۔ شعبان ۱۲۳۹ھ - اپریل ۱۸۲۴ء میں حج سے فارغ ہو کر آئے۔ جمادی الاخری ۱۲۴۱ھ - ۱۸۲۶ء میں جہاد کے لئے روانہ ہوئے۔ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ - ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ میں جام شہادت نوش کیا۔

سید صاحب کے یہ دونوں رسالے ان کی زندگی ہی میں شائع ہوئے تھے۔ اور ان رسائل کے خاتمۃ الطبع میں بالصراحت یہ بات بتائی گئی ہے کہ یہ دونوں رسالے سید احمد شہید کے افکار عالیہ ہیں[۳]۔ خاتمۃ الطبع کی عبارت درج ذیل ہے[۴]

۱۔ سید احمد شہید کے حالات اور تحریک پر کئی وقیع کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں غلام رسول مہر کی "سید احمد شہید" کتاب منزل لاہور ۱۹۵۲ء۔ اور مولانا ابوالحسن ندوی کی "سیرت سید احمد شہید" کراچی ۱۹۷۵ء، خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ۲۔ صیانۃ الاناس عن وسوسۃ الخناس۔ از مولوی حیدر علی رامپوری (قلمی) ورق ۳۶ الف (مخزونہ رضا لائبریری رام پور) ۳۔ سید احمد شہید نے ایک مرتبہ اپنے مرید مولوی محمد اشرف (المتوفی ۱۲۴۴ھ ۱۸۲۸ء) بن قاضی نعمت اللہ کے سامنے بھی سورہ الحمد کی تفسیر بیان کی تھی (ملاحظہ ہو مقالات طریقت معروف بہ فضائل عزیزیہ از عبدالرحیم ضیاء مطبع متین حیدرآباد دکن ۱۲۹۲ھ ص ۲۱۶) ۴۔ ایک مجموعہ رسائل ۱۔ حقیقت الصلوٰۃ ۲۔ تفسیر سورہ الحمد ۳۔ رسالہ اہل سنت کے عقائد ۴۔ راہ نجات ناقص الاول ہمارے پیش نظر ہے اس کے ص ۱۲۴ سے یہ عبارت نقل کی ہے یہ مجموعہ مولوی بدر علی کے چھاپہ خانہ کلکتہ میں طبع ہوا ہے۔

"الحمد للہ کہ تفسیر الحمد کی ہندی زبان میں جو حضرت رئیس المومنین امام العارفین سید المسلمین قدوۃ السالکین پیر و مرشد حضرت سید احمد صاحب انفع پہنچائے اللہ ہم کو اور ہم سب مسلمان بھائیوں کو ان کی بقا سے اور زیادہ کرے فیض اور ارشاد ان کا۔ آپ اپنی زبان سے فیض ہدایت ترجمان سے فرما کے جامع علوم ظاہری اور باطنی جناب مولانا عبد الحئی صاحب دام فیضہ سے تحریر کروائی اور حقیقت صلوۃ کی جو نماز پنجگانہ ہے اور کئی فائدوں کے ساتھ جیسے ایک فاضل کامل نے حضرت پیر و مرشد کے مریدوں میں سے حضرت کی زبانِ اقدس سے سن کے ہندی زبان میں لکھا ہے۔[1] اہتمام سے عاصی بنیر خاں اور وارث علی کے جناب مولوی محمد علی صاحب کی تصحیح سے مولوی بدرِ علی صاحب کے چھاپے خانے میں خاص و عام کے فائدے کے لئے چھاپا ہوئی تھی۔ اب اگر عالی ہمت کسی مقام پر عبارت محاورے کی مخالف پاویں تو زبان طعنے کی دراز نہ کریں۔

مندرجہ بالا عبارت سے درج ذیل امور واضح ہوئے۔

۱۔ یہ رسالے سید احمد شہید اور مولوی عبد الحئی کی زندگی میں شائع ہوئے تھے۔

۲۔ سورہ الحمد کی تفسیر سید احمد شہید نے اپنی زبان سے مولوی عبد الحئی کو تحریر کروائی۔

۳۔ رسالہ حقیقت الصلوٰۃ، سید احمد شہید کی زبان سے سن کر ان کے کسی "فاضل کامل" مرید نے قلم بند کیا۔ ان فاضل کا نام نہیں بتایا گیا۔

مولوی عبد الحلیم چشتی صاحب کے سامنے ان رسائل کا جو مطبوعہ نسخہ رہا ہے اس میں سنہ طبع بھی دیا ہے جیسا کہ درج ذیل عبارت سے واضح ہے۔[1]

"کیونکہ مقصود چھاپنے سے محض خیر خواہی جماعت مسلمین کی اور بہتری خواص و عام مومنین کی ہے نہ آرائش الفاظ کی۔ لہٰذا جو قلمی مولوی صاحب ممدوح کا تھا۔ اگرچہ بعض مقام پر خلافِ محاورہ ہووے بعینہ جمادی الآخرہ کی بائیسویں تاریخ، ۱۲۳۷ھ ۔ ۱۸۲۲ء میں علی باجرہ والصلوٰۃ والسلام طبع ہوا۔[2]"

---

[1] "تفسیر سورہ فاتحہ از حضرت سید احمد شہید" مقالہ مولوی عبد الحلیم چشتی مطبوعہ الرحیم حیدر آباد سندھ ستمبر ۱۹۶۵ء، ص ۲۶۔

[2] اٹھارہ انیس برس کے بعد یہ دونوں رسالے (حقیقت الصلوٰۃ و تفسیر سورہ الحمد) محمد مصطفےٰ خان (ابن محمد روشن خان) المتوفی ۱۲۶۹ھ ۔ ۵۳-۱۸۵۲ء نے مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۵۵ھ ۔ ۱۸۳۹ء میں چھاپ کر شائع کئے۔ (سید احمد شہید کی تحریک کا اثر اردو ادب پر از مولوی عبد الحلیم چشتی مطبوعہ "الرحیم" حیدر آباد سندھ ص ۶۵۔ فروری ۱۹۶۶ء،

تفسیر سورۃ الحمد

سورہ الحمد کی تفسیر کے شروع میں ایک مقدمہ سا لکھا ہے جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔[1]

"اس سورے میں اللہ نے دعا کی طرح بتلائی ہے اور اللہ کے بتلائے برابر سب کا بتلایا نہیں ہوتا اس واسطے یہ سورت بڑی بزرگی رکھتی ہے۔ اور دعا میں دستور یوں ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ باوجودیکہ سب آدمی محتاج بے مقدور ہیں پر سوال کرتے ہیں جو آدمی سخی، کریم، باہمت اور با مقدور ہوتا ہے اسی سے مانگتے ہیں۔ جتنا تفاوت آدمیوں میں اوصاف سے ہوتا ہے اتنا ہی سوال کرنے میں فرق پڑتا ہے جس میں سخاوت نہ ہو اس سے نہیں مانگتے۔ اور جو سخاوت ہو پر ترش روئی بھی ہو تو اس سے بھی مانگنے میں پرہیز کرتے ہیں۔ اور جو ترش رو بھی نہ ہو بہت خلیق ہو۔ پر دینے کے پیچھے اتراوے، جتلاوے، منت رکھے۔ اس سے بھی مانگنا اچھے آدمیوں کو سخت بھاری ہوتا ہے اور جو بے مقدور ہو تو اس سے مانگنا ہی نہیں ہو سکتا اور جتنے یہ اوصاف پر کمال ہوں اتنا مانگنا اس سے خوب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مانگنا عزت ہو جاتا ہے جب کوئی بڑا ہی کریم، باہمت، پرلے درجے کا سخی ہو کہ وہ اپنی خوبیوں کے سبب مانگنے والے کا ہر طرح پاس کرے اور اس سے مانگنا عزت ہو جاتی ہے اور سوال کرنے میں آدمی اول وہ صفتیں اور خوبیاں بیان کرتا ہے کہ جس سے سوال رد نہ ہو۔ اور ایسا کہتا ہے کہ جس سے سوال کرے وہ بھی مان لے اور اقرار کرے کہ ہاں میں ایسا ہی ہوں اور تیرا کہنا سچ ہے تو بھی دل کے اعتقاد سے کہتا ہے جب یہ سب ہو کر سوال ہوتا ہے تو ہرگز وہ سوال رد نہیں ہوتا۔ بلکہ سوال کرنا واجب ضرور ہو جاتا ہے۔

"مالک یوم الدین" کی تفسیر بطور نمونہ ملاحظہ ہو[2]

مالک ہے جزا کے دن کا ــــ جزا کا دن قیامت ہے۔ اور اللہ کی مالکیت ہمیشہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ مگر ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ دنیا میں بظاہر اور بھی مالک کہلاتے ہیں۔ گو وہ مالکیت عاریت اور ناپائدار ہے کیونکہ اصل مالک اللہ ہی ہے۔ لیکن قیامت میں یہ عاریت کی مالکیت بھی اٹھ جاوے گی۔ جیسے کوئی شخص کہ کسی زمیندار کی زمین میں رہتا ہے اور اس کی رعیتی ہو اور وہ شخص اس زمیندار کے غائبانہ باقی رعیت کے سامنے اپنے تئیں اس زمین کا مالک کہتا ہو۔ تو وہ شخص جب زمیندار کے سامنے جاوے گا تب آپ کو ہرگز مالک نہ کہوے گا اور نہ زمین اپنی نہ بتلاوے گا بلکہ اس زمیندار کے روبرو یوں کہے گا کہ میرا جان و مال اور جورو اور لڑکے سب تمہارے ہی ہیں۔ اور یہی حال ہو گا اوس زمیندار کا وہاں کے راجہ کے سامنے اور اوس راجہ کا کسی نواب کے روبرو اور اوس نواب کا کسی بادشاہ کے سامنے، قیامت کو سب کا حال اس سے زیادہ ہو گا مالک حقیقی کے سامنے۔

---

[1] سورہ الحمد مشمولہ مجموعہ رسائل مطبوعہ ص ۲۴، ۲۵
[2] 〃 〃 〃 ص ۳۲، ۳۳

سو اس طرح اللہ کی مالکیت اور بادشاہی اوس دن آشکارا ہوگی۔ اور سب پر کھلے گی۔ سب اس کی مالکیت کا اقرار کریں گے۔ کیونکہ اوس کے حضور ہوں گے۔ اور ہر بات پر اللہ کی طرف سے جواب ہوتا ہے۔"

"تفسیر سورۃ الحمد کا اختتام اس طرح ہوا ہے[1]

"یعنی کافر ہر چند اون سے بھی کبھی کوئی کام اللہ کی رضامندی کا ہو جاوے پر اون کی راہ بھی ہرگز نہیں مانگنا اون کے نصیب میں وہ رضامندی نہیں جو آخرت میں فائدہ دے۔"

زبان و بیان ۔ چند اسمائے صفت

حضوری : بندے کے دل میں حضوری اور بڑی محبت بہت چمک جاوے۔ صد ۲۷

مالکیت : اللہ کی مالکیت اور بادشاہی اوس دن آشکارا ہوگی۔ صد ۳۴

پچھتانا سے حاصل مصدر

پچھتاوا۔ کبھی پشیمانی اور پچھتاوا ہوتا ہے۔ صد ۳۸

نری بمعنی صرف نری عبادت نری اللہ کی ہے صد ۳۳

کہ کر ۔ کا استعمال کہ کر جب اللہ کی ثنا صفت کر کے یہ کہتا ہے صد ۳۶

اُنّے ۔ بجائے اُس نے ۔ اُنّے۔ اُنّے اپنے بندے کو ایک تعریف کی چیز دی ہے۔ صد ۲۹

اِتّا بجائے اتنا ۔ اِتّا۔ ان دونوں میں اِتّا فرق ہے۔ صد ۳۲

کِتّا بجائے کتنا ۔ کِتّا۔ ایسے غلام پر مالک کِتّا ہی سنگ دل، بخیل ہو صد ۳۶

مضارع "وے" کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ جیسے اتراوے۔ جتلاوے۔ پاوے صد ۳۵

سورہ الحمد کی تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی عبدالحلیم چشتی لکھتے ہیں[2]

"سید احمد شہید نے بالکل بول چال کی زبان استعمال کی ہے۔ اور روزمرہ کو نہیں چھوڑا ہے۔ اس میں تصنع اور لفاظی نہیں ہے۔ ہندی کے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو عام فہم ہیں اور اس دور میں محاورے میں رچ بس گئے تھے۔ یہ تفسیر موضوع اور انداز بیان دونوں اعتبار سے اہمیت رکھتی ہے۔"

یہاں ہم ایک بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ رسالہ حقیقت الصلوٰۃ میں جو ترجمہ سورہ الحمد کا دیا گیا ہے وہ شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ ہے حالانکہ سید احمد شہید تفسیر الحمد میں ترجمہ مستقل طور سے کر چکے تھے اور یہ دونوں رسالے ایک ساتھ ان کی زندگی میں ۱۲۳۷ھ - ۱۸۲۲ء میں طبع ہوئے تھے۔ سورہ الحمد کے دونوں ترجمے درج ذیل ہیں۔

---

[1] تفسیر سورہ الحمد (مشمولہ مجموعہ رسائل مطبوعہ) صد ۳۲، ۳۳ [2] تفسیر سورہ فاتحہ از حضرت سید احمد شہید و مقالہ مولوی عبدالحلیم چشتی، مطبوعہ الرحیم حیدر آباد سندھ ستمبر ۱۹۶۵ء) صد ۲۶۴

سورہ الحمد کا ترجمہ جو تفسیر الحمد میں دیا گیا ہے۔	سورہ الحمد کا ترجمہ جو رسالہ حقیقت الصلوٰۃ میں دیا گیا ہے وہ شاہ عبدالقادر دہلوی کا ہے۔
سب حمد اللہ ہی کو ہے، پرورش کرنے والا ہے سارے جہانوں کا۔ بہت رحم والا۔ ہمیشہ کو رحم کرتا ہے۔ مالک ہے جزا کے دن کا۔ تجھی کو پوجتے ہیں ہم اور تجھی سے اعانت چاہتے ہیں ہم۔ بتلا ہم کو راہ سیدھی۔ اور راہ ان کی جن پہ فضل کیا تو نے نہ وے جن پہ غصہ کیا اور نہ گمراہ۔	سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہاں کا ہے بہت مہربان نہایت رحم والا۔ مالک انصاف کے دن کا تجھی کو ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں چلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل کیا نہ جن پر غصہ ہوا ہے اور نہ بھٹکنے والوں کی۔

حقیقت الصلوٰۃ

سید احمد شہید نے نماز کی حقیقت اور اس کے اسرار و رموز پر یہ مختصر سا رسالہ نہایت سادہ اور سلیس زبان میں اپنے ایک فاضل مرید کو املا کرایا تھا۔ یہ رسالہ سید صاحب کی زندگی میں ۱۲۳۷ھ - ۱۸۲۲ء میں کلکتہ میں مولوی بدر علی کے چھاپے خانے میں چھپا تھا۔ مؤلف مخزن احمدی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے[۱]

امام المجاہدین کیفیت الصلوٰۃ بہ نہج کہ در رسالہ موسومہ حقیقت الصلوٰۃ کہ مصنفہ آنحضرت است بیان فرمودہ۔	امام المجاہدین (سید احمد) نے نماز کی کیفیت ایک انداز سے حقیقت الصلوٰۃ نام کے رسالہ میں کہ جو حضرت (سید احمد) کا تصنیف کردہ ہے بیان فرمائی ہے

حقیقت الصلوٰۃ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے[۲]

"الٰہی شکر تیرے احسان کا کہ تو نے ہمارے دل کو روشن اور زبان کو گویا کیا۔ اور ایسے نبی مقبول کو خلق اللہ کی ہدایت کے واسطے بھیجا کہ جس کی ادنیٰ شفاعت سے دونوں جہان کی نعمت پاویں۔ اور اوس کی ہدایت سے عرفان کی لذت اٹھاویں۔ پس درود و سلام اوس نبی مختار اور اس کے آل اطہار اور اصحاب کبار پر کہ جس نے بشر کو ضلالت و گمراہی سے باز رکھا۔ اور علما کو زیور علم و دانش سے آراستہ کیا۔ پیچھے حمد خدا اور نعت رسول ؐ کے ارباب دانش پر ظاہر ہو جیو کہ مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے رب کو پہچانے اور اس کی صفات کو جانے اور اوس کے حکم معلوم کرے اور مرضی نامرضی اوس کی تحقیق کرے کہ بغیر اوس کے بندگی نہیں۔ اور جو بندگی بجا نہ لاوے سو بندہ نہیں اور بڑی بندگی نماز ہے۔ کہ بدوں اس کے کوئی بندگی قبول نہیں۔ کیونکہ سر سب بندگیوں کا اور سب برے کاموں سے بچنے کا یہی ہے[۳]"

۱؎ مخزن احمدی از سید محمد علی (مطبع مفید عام اکبرآباد ۱۲۹۹ھ) ص ۳۴ تا ۳۵

۲؎ ایضاً ص ۳۴، ۳۵

۳؎ رسالہ حقیقت الصلوٰۃ (مشمولہ مجموعہ رسائل مطبوعہ) ص ۲

"حضوری بغیر تاثیر دل کے میسر نہیں اور تاثیر دل کی بدوں دانست معانی الفاظ کے حاصل نہیں اس واسطے جو کچھ نماز میں ہے معنی اس کے ہندی زبان میں محاورے کے موافق کہے ہیں کہ اکثر غریب لوگ کہ جو ان معنوں سے مطلق بے خبر ہیں سمجھ کے حضور دل سے نماز گذاریں اور بہت سی حلاوت پاویں اور ایک فائدہ اور ہے کہ اگر معنی الفاظ کے جانیں تو سب برے کاموں سے کہ جن سے نقصان ایمان کا ہے بچیں اور معلوم کریں کہ جو اقرار اپنے رب کے سامنے کیا ہے اوس پر قائم رہیں"

ایک اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ ہو[1]۔

"جاننا چاہئے کہ جو یہ بندہ پانچ وقت بیچ دربار ایسے بادشاہ عالی جاہ کے بے منت اور احسان کسی دوسرے کے حاضر ہو کے سرفراز ہو تو پھر لازم ہے کہ جو اپنے مالک کے سامنے اقرار کر آیا اوس پر قائم رہے یہ نہیں کہ پانچ وقت پروردگار کے سامنے " ایاک نعبد و ایاک نستعین" کہہ آوے بعد اوس کے اور کو پوجے اور وقت مصیبت کسی اور کو پکارے اور مدد چاہے اور لازم ہے کہ جو خدا سے دعا کرے کہ " اھدنا الصراط المستقیم" تو اوس کو تحقیق کرے کہ صراط مستقیم کہ راہ رضامندی حق تبارک تعالیٰ کی ہے کیا ہے۔ اور کمال شفقت سے اوس بندے کے واسطے پروردگار نے تین رکعت نماز وتر مقرر فرمائی کہ جس کے ادا کرنے سے بندہ اپنے خالق کے سامنے عزیز ہوتا ہے اور نماز وتر واجب ہے۔ اور بقول صحیح کے اور دعائے قنوت پڑھنا تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے قرأت کے پیچھے واجب ہے"

کتاب کا اختتام اس طرح ہوا ہے[2]۔

"اب بندۂ مومن کو چاہئے کہ اپنے دل کی طرف ذرا انصاف سے رجوع کرے کہ یہ سب اقرار کہ جو ایسے حضور کے وقت میں سامنے اپنے مالک کے کرے اور موافق اس اقرار کے عمل میں نہ لاوے پھر روز جزا کے کون سا منہ لگا کے اوس قہار کے سامنے جاوے گا۔ ایمان نام فقط اقرار ہی کا نہیں ہے بلکہ اقرار ساتھ یقین کے چاہئے۔ کہ ثمرہ اوس کا عمل ہے اور عوام جو اس بات سے بے خبر ہیں۔ خواص کو واجب ہے کہ اون کو آگاہ کریں۔ کہ جو منہ سے اقرار کریں اوس کو عمل میں لاویں"

زبان و بیان۔ چند الفاظ کا استعمال

ارواح بمعنی جن ۔ نہ ارواح نہ فرشتے ص ۱۲

چیلا۔ خاص چیلا سرکاری ہے۔ ص ۱۲

---

[1] رسالہ حقیقت الصلوٰۃ (مشمولہ مجموعہ رسائل مطبوعہ) [2] رسالہ حقیقت الصلوٰۃ (مشمولہ مجموعہ رسائل مطبوعہ) ص ۲۳/۲۴

حضوری ۔ نماز میں حضوری دل کی شرط ہے ۔ صہ ۱۳

نامرضی ۔ مرضی نامرضی اوس کی تحقیق کرے ۔ صہ ۱۲

بے چونی ۔ بے چونی اور بڑائی اوس (اللہ) کی اس سورہ میں باختصار خوب ہے ۔ صہ ۱۵

پاکیزگی ۔ خدمت پاکیزگی کی اوس پر لازم ہے ۔ صہ ۱۷

مضاف، مضاف الیہ سے پہلے | شکر تیرے احسان کا صہ ۱۲

نماز درستی اور طہارت کی صہ ۱۲ ۔ دفع کرنا شیطان کا صہ ۱۲ ۔ حضوری دل کی صہ ۱۳ ۔ نفس ایمان کا صہ ۱۳

حرف جار، مجرور سے مقدم | بدوں اوس کے ۔ صہ ۱۲ ۔ پیچھے حمد خدا کے صہ ۱۲ ۔ بغیر اوس کے صہ ۱۲

جونسی کا استعمال بجائے جو | جونسی سورت پڑھے صہ ۱۲

"واسطے" کا استعمال | واسطے، واسطے خاص کے ہیں صہ ۱۳

اللہ صاحب کا استعمال عام ہے ۔

چند مرکب مصادر | خلیفہ کرنا، حکم دینا } خلیفہ کرکے سب پر اوس کو حکم دیا ۔ صہ ۱۲

پاکیزگی کرنا ۔ پہلے طہارت اور پاکیزگی کرے ۔ صہ ۱۳

جمع | طرف کی طرفوں صہ ۵

سستی کی جمع سستیوں ۔ مشقت میں ڈالنا نفس کا اوس کی سستیوں کے اوقات میں صہ ۱۳

حقیقت الصلوٰۃ میں الحاق | حقیقت الصلوٰۃ کا جو نسخہ ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۲ء میں سید احمد شہید کی زندگی میں مولوی بدرعلی کے چھاپہ خانے میں کلکتہ میں اور بعد ازاں اس کی نقل مطبع مصطفائی لکھنو میں ۱۲۵۵ھ ۱۸۳۹ء اور ۱۲۶۶ھ ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی ہے ۔ ان مطبوعہ نسخوں میں یہ رسالہ دعائے قنوت پر ختم ہو جاتا ہے ۔ مگر بعد میں اس رسالہ میں اضافہ ہوتا رہا ہے رجب ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء کا مکتوبہ نسخہ ہمارے پیش نظر ہے اس میں مندرجہ ذیل عنوانوں کا اضافہ ہے

۱۔ آیۃ الکرسی ۔ ۲۔ اذان ۔ ۳۔ پانچ کلمے ۔ ۴۔ ایمان مجمل ۔ ۵۔ ایمان مفصل ۔ ۶۔ درود اور دعائیں ۔

رسالہ حقیقت الصلوٰۃ مختلف مطابع میں مصنف کے نام کی صراحت کے بغیر چھپتا رہا ہے اس وقت تین نسخے

مطبوعہ ۱۔ مطبع الطافی کانپور (۱۲۸۰ھ) باہتمام مولوی مسیح الزماں

۲۔ مطبع افتخار دہلی ۱۳۰۸ھ

۳۔ محمود المطابع دہلی (بغیر سال طباعت) باہتمام مرزا عالم بیگ خان

۴۔ پرکاش اسٹیم پریس لاہور (۱۳۴۰ھ) باہتمام ابو محمد جمیل ۔

پیش نظر ہیں ان نسخوں میں الحاقی مواد کے علاوہ نماز جنازہ اور دعائے سید الاستغفار کا بھی اضافہ ہے۔[1]

حقیقت الصلوٰۃ کا ایک خطی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔ اس کا عنوان" رسالہ نماز روزہ " ہے۔ کاتب نے اس رسالہ کو شاہ عبد القادر کی تالیف بتایا ہے[2] مولانا امتیاز علی عرشی صاحب نے فہرست میں بھی اسی عنوان سے نقل کیا ہے۔ اس رسالہ کے شروع میں" تھانیسری "کی ایک مثنوی ہے۔ اس کے علاوہ اردو فارسی اور عربی کے چند اشعار۔ بعد ازاں عربی ادعیہ اور مارواڑی زبان کی دو چھوٹی چھوٹی حمد و نعت پر مشتمل نظمیں ہیں۔

رام پور کے خطی نسخے میں عبارت میں کہیں کہیں معمولی سا فرق بھی ہے۔ اب ہم رام پور کے خطی نسخے" رسالہ نماز و روزہ" اور مطبوعہ حقیقت الصلوٰۃ کی عبارات دو مقامات سے بطور مقابلہ نقل کر رہے ہیں۔

اقتباس از حقیقت الصلوٰۃ	اقتباس از رسالہ نماز و روزہ
الہی شکر تیرے احسان کا کہ تو نے ہمارے دل کو روشن اور زبان کو گویا کیا اور ایسے نبی مقبول کو خلق اللہ کی ہدایت کے واسطے بھیجا کہ جس کی ادنیٰ شفاعت سے دونوں جہان کی نعمت پاویں اور اوس کی رہنمائی سے عرفان کی لذت اٹھا دیں۔	الہی شکر تیرے احسان کا یاد کروں کس زبان سے کہ ہماری زبان گویا کی اپنے نام کر اور دل کو روشنی دی اپنے کلام کر اور امت میں کیا اپنے رسول مقبول کی کہ جو اشرف انبیاء اور نبی رحمت جن کی شفاعت سے امید وار ہیں کہ پاویں دونوں جہان کی نعمتیں۔
مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے رب کو پہچانے اور اوس کی صفات جانے اور اوس کے حکم کو معلوم کرے اور مرضی اوس کی تحقیق کرے کہ بغیر اوس کے بندگی نہیں اور جو بندگی بجا نہ لاوے بندہ نہیں اور بڑی بندگی نماز ہے کہ بدوں اوس کے کوئی بندگی قبول نہیں کہ سرا سب بندگیوں اور برے کاموں سے بچنے کا یہی ہے	سب مسلمانوں کو لازم ہے کہ اپنے رب کو پہچانیں اور اس کی صفات جانیں اور اوس کے حکم معلوم کریں کہ بغیر اوس کے بندگی نہیں اور بندہ بندگی بجا نہ لاوے وہ بندہ نہیں اور بڑی بندگی نماز ہے کہ بدوں اوس کے کوئی بندگی مقبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ سرا سب بندگیوں کا نماز ہے۔

ے[1] پہلے تین نسخوں کے ساتھ منظوم رسالہ بے نمازاں (اسماعیل شہید) اور آخر الذکر کے ساتھ مثنوی سلک نور (اسماعیل شہید) شامل ہے۔

ے[2] رسالہ حقیقت الصلوٰۃ میں سورہ فاتحہ کا جو اردو ترجمہ نقل ہوا ہے وہ شاہ عبد القادر کا ترجمہ ہے ممکن ہے اسی بنیاد پر اس رسالہ کو شاہ عبد القادر کی تالیف قرار دے دیا گیا ہو۔

Adarts

CAR-3/79

جناب احمد عبداللہ صاحب۔ کراچی

انقلاب ایران

اسباب و نتائج

اس مختصر مگر معلومات و حقائق پر مشتمل مقالہ میں ہمارے محترم دوست جناب احمد عبداللہ صاحب کراچی جو تاریخ و سیاست کے ایم۔ اے ہیں اور جنہیں صحافت ابلاغ و تعلقات عامہ کا دیرینہ تجربہ حاصل ہے۔ عالم اسلام اور مشرق وسطی کے اقتصادی و سیاسی مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ اصلاً تاریخ و مذہب، ثقافت اور قومی مسائل پر انگریزی کے مقالہ نگار ہیں۔ اس مقالہ میں انہوں نے انقلاب ایران کے پس منظر اسباب و نتائج پر عالمانہ روشنی ڈالی ہے۔ اور عام طور پر مخفی مگر دلچسپ اور مفید پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ اسطرح فاضل مقالہ نگار نے عربوں اور ایرانیوں کے درمیان غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش بھی کی ہے جو اس وقت کی تلخ اور ناخوشگوار فضا میں قابل قدر ضرورت ہے۔

کسی مقالہ نگار یا مصنف کے تمام خیالات اور تحلیل و تجزیہ سے کلی اتفاق تو ضروری نہیں ہوتا اس لئے اسی موضوع پر کسی اختلافی نوٹ کیلئے بھی الحق کے صفحات حاضر ہوں گے۔

—— سمیع الحق ——

تاریخی پس منظر ایران کے موجودہ بحران کے اسباب کو سمجھنے اور اس کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس مسئلہ کے تین پہلوؤں کا مطالعہ ضروری ہے۔ الف۔ آغاز اسلام کے بعد ایران کا تاریخی پس منظر بالخصوص مذہب اور زبان کی ترقی میں اس کا حصہ۔ ب۔ اس ملک میں آباد عوام کی نسلی تشکیل اور ج۔ جدید ایران کی اقتصادی، ثقافتی اور سیاسی زندگی میں مغربی طاقتوں کا کردار۔ ہم ان پہلوؤں پر مختصراً اظہار خیال کرتے اور اس بحران کے بنیادی عوامل اور اس کے امکانی عواقب معلوم کرنے کی کوشش کریں گے جو اس خطہ میں اور اس کے باہر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

ہم ایران کے متعلق بعض غلط تصورات دور کرنے کی کوشش بھی کریں گے جن کی تشہیر مغربی لوگوں نے دانستہ طور پر مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے کی ہے تعلیم یافتہ طبقوں میں ایک عام غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ ایران کے عوام

نے اپنے ملک پر عربوں کی فتح کے بعد سے کبھی ان سے خود کو ہم آہنگ نہیں کیا۔ اور وہ ہمیشہ ان کی مخالفت کرتے رہے۔ ہمیں ابتدا ہی میں یہ بتا دینا چاہئے کہ یہ نقطۂ نظر سراسر بے بنیاد ہے۔ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔ عربوں اور ایرانیوں کے درمیان کبھی کوئی گہری مخالفت نہیں رہی جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ عربوں اور ایرانیوں میں جس قدر باہمی تعاون، گہرا اتحاد اور اشتراکِ عمل اور بہترین ہم آہنگی اور مفاہمت موجود تھی اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ دنیا کی کسی قوم نے کسی نصب العین کے لئے خود کو خلوصِ دل سے اتنا وقف نہیں کیا جتنا کہ ایرانی قوم نے خود کو اسلام کیلئے وقف کیا۔ انہوں نے اپنے آبا و اجداد کا مذہب ترک کر دیا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ اپنی صدیوں پرانی بادشاہت کو مسترد کر دیا اور خلافت کا انتخاب کیا۔ اپنی قدیم زبان کو خیرباد کر کے عربی کو اپنی علمی و عملی زبان بنا لیا۔

ایرانی علماء، دانشور اور مذہبی رہنماؤں نے اپنی پرمغز تحریرات سے عربی زبان، اسلامی علم اور سائنس کی ترقی کے لئے اس قدر زبردست کردار ادا کیا کہ عام طور پر جو سائنسی، ادبی اور تخلیقی کارنامے عربوں سے منسوب کئے جاتے ہیں وہ زیادہ تر ایرانیوں کی کاوشِ فکر کا نتیجہ ہیں۔ احادیث کی تدوین، پیغمبر اسلامؐ کی سوانح عمریاں، قرآن کی تفسیریں، اسلامی دینیات، صوفیوں کا طرزِ فکر، ریاضی، فلکیات، کیمیا سازی، ادویہ، مختصر افسانے، ناول، قواعد، سیاسی افکار، تاریخ لغت کی تالیف، حکومت کا نظم و نسق، دوسری زبانوں سے تراجم وغیرہ زیادہ تر ایرانیوں کے مرہونِ منت ہیں۔

ابتدائی دنیائے اسلام میں جو کہ پرتگال سے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی اور جہاں عربی زبان عام تھی، ایران کو صدیوں تک ایک محور کی حیثیت حاصل تھی۔

آیئے ہم پہلے تاریخ کو لیتے ہیں۔ ایران کی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں (تقریباً ۶۵۱ء) ساسانی خاندان کے آخری بادشاہ یزدگرد سوئم کے قتل کے بعد ایران مسلمانوں کی حکومت میں داخل ہو گیا۔ اس واقعہ نے ایران کے مذہبی، ثقافتی اور نفسیاتی طرز کو یکسر بدل دیا جو آج تک اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ واقعات کلی طور پر غیر متوقعہ اور پر اسرار تھے۔

صدیوں تک جمود کی حالت میں مبتلا رہنے کے بعد واقعات نے حیرت انگیز تیز رفتاری کے ساتھ وقوع پذیر ہونا شروع کیا۔ چنانچہ ۶۲۰ء میں جبکہ خسرو پرویز نے اپنی کامیاب فتوحات کا بیس سالہ دور پیچھے چھوڑا کوئی شخص بھی یہ پیش بینی نہیں کر سکتا تھا کہ پچیس سال کے اندر نہ صرف اس کا شاہی خاندان ختم ہو جائے گا۔ بلکہ ایرانی زندگی کا پورا ڈھانچہ بدل جائے گا۔

بہرحال اسلام ایران کے لئے ایک رحمت بن کر آیا اور اس پر لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی ساسانی شاہی خاندان اور اس کے حاشیہ بردار زردشتی پادریوں کے نظامِ زندگی سے بیزار ہو چکے تھے۔ سر تھامس آرنولڈ نے اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "زردشتیوں کی عدمِ رواداری نہ صرف دوسرے مذاہب

کے ساتھ بھی بلکہ ان کے اپنے مذہب کی تقلید نہ کرنے والے بعض ایرانی فرقوں مثلاً مجوسی، مزدکی وغیرہ کے ساتھ بھی اس کا مظاہرہ کرتے تھے جس کی وجہ سے انہیں وسیع طور پر ناپسند کیا جاتا تھا۔ بہت سے ایرانی لوگوں میں عقائد کی بنیاد پر ایذا رسانی سے اس مذہب اور اس شاہی خاندان کے خلاف نفرت کے احساسات بھڑک اٹھے تھے، جو اس کے ظلم و جور کی حمایت کرتا تھا۔ اس طرح عربوں کی فتوحات ایرانیوں کے لئے ایک نجات کی روشنی بن کر نمودار ہوتی۔" (اسلام کی تعلیمات از سر تھامس ارنالڈ)

ایڈورڈ براؤن کے مطابق ۵۷۰ء میں نوشیرواں کی موت کے بعد ساسانی سلطنت کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ اسکی حالت بہت ابتر ہو گئی تھی، سازشوں کے باعث اسکی جڑیں کھوکھلی ہو گئی تھیں بے اطمینانی کی وجہ سے لوگوں میں جوش پھیلا ہوا تھا۔ اور خونریزی اور برادر کش جنگ و جدال سے سلطنت پارہ پارہ ہو گئی تھی۔ خود نوشیرواں کا بیٹا عیسائی ہو گیا تھا۔ اور اس نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ (ایران کی ادبی تاریخ) لیکن انہیں کبھی یہ توقع نہیں تھی کہ وہ ان پسماندہ عربوں کے ہاتھوں جن کے پاس اچھے ہتھیار بھی نہیں تھے، شکست کھا جائیں گے اور انہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ان کی شکست اتنی مکمل اور سبق آموز ہو گی۔

اسلام کے آغاز نے اس ملک کے پورے سماجی اور سیاسی طرز کو بدل ڈالا۔ جیسا کہ اس سے پہلے عرب کو بدل ڈالا تھا۔ ایران کے لوگوں نے عربوں کو خوش آمدید کہا اور زندگی کے ہر شعبہ میں ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ چنانچہ ایرانیوں نے خراسان کے دفاع میں عربوں کے دوش بدوش تاتاریوں کے خلاف جنگ کی۔

قطیبہ بن مسلم نے اپنی وسطی ایشیائی مہموں کے لئے بہت سے سپاہی ایرانی آبادی سے حاصل کئے جن ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا وہ عربوں کی قیادت کے تحت اپنے آبائی دشمنوں یعنی تورانی خانہ بدوشوں سے جنگ کرنے کو تیار ہو گئے تھے۔

عرب بھی ایرانیوں کے لئے ہمدردی کے احساسات رکھتے تھے انہوں نے کبھی مقامی لوگوں کی گھریلو زندگی میں مداخلت نہیں کی اور جو لوگ اپنے پرانے مذہب سے وابستہ رہنا چاہتے تھے، انہیں اسکی اجازت تھی۔ اور جو لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے انہیں موالی کے طور پر قبول کیا۔ موالی کا ایسا رشتہ تھا جو دیرپا ثابت ہوا اور وقت گزرنے کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔

مشہور مستشرق ویلہاسن نے اس پہلو پر ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔ "عرب اور ایرانی لوگ مستقل سکونت اور رہائش بود و باش کے لحاظ سے ایک دوسرے سے جدا نہیں تھے۔۔۔۔ عرب باشندے اس ملک کے دیہی علاقوں میں املاک رکھتے تھے اور وہ وہاں اپنے وقت کا کچھ حصہ بھی گذارتے تھے۔ بالخصوص مرو کے نخلستان میں جہاں یہ شہر آبپاشی کے نظام میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔"

آگے چل کر ویلہاس لکھتا ہے۔ "انہوں نے ایرانیوں کو مصاحب کی حیثیت سے رکھا اور ایرانی عورتوں سے شادیاں کیں۔ یہ اثر دوسری نسل میں زیادہ شدت سے محسوس کیا گیا۔ عرب اس ملک کے اصلی باشندوں کیساتھ گھل مل گئے تھے اور وہ اس صوبے کو اپنا مشترکہ وطن تصور کرنے لگے تھے۔ اب وہ پکے خراسانی بن گئے تھے۔ ایرانیوں کیطرح پائجامے پہنتے تھے اور نوروز اور مہرگان کے تہوار مناتے تھے۔ نمایاں حیثیت رکھنے والے عربوں نے تو مرزبانوں کا لباس اپنا لیا تھا۔"

اس کے علاوہ عرب اسلام کے معاملہ میں اتنے فراخدل تھے کہ جب ایرانیوں کو شکست ہوئی، تو حضرت عمرؓ کو یہ تشویش پیدا ہوئی کہ انہیں مفتوح موبدوں (قدیم ایرانی پجاری) اور زردشتیوں سے کس طرح سلوک کرنا چاہئے۔ مسلم مؤرخ بلاذری نے اپنی کتاب (کتاب الفتوح البلدان) میں لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف آگے بڑھے اور انہوں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو گواہ بنائیے۔ اس نے فرمایا: "آپ ان سے ایسا سلوک کریں جیساکہ اہلِ کتاب کے ساتھ کرتے ہیں۔"

اس پر حضرت عمرؓ نے موبدوں اور زردشتیوں کو وہی حیثیت عطا کی جو اہلِ کتاب کو دی گئی تھی۔ یہ بھی تاریخی ریکارڈ میں موجود ہے کہ پیغمبرِ اسلامؐ نے ایران کے موبدوں سے پول ٹیکس قبول فرمایا جو اہلِ کتاب سے وصول کیا جاتا تھا۔

تھامس آرنولڈ لکھتا ہے۔ کہ اسلام کی سادگی اور لچکداری کے باعث ایران کے لوگ کثیر تعداد میں رضاکارانہ طور پر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ اے۔ جے۔ آربیری کے مطابق "ایرانیوں نے جبر کے ذریعہ اسلام قبول نہیں کیا بلکہ وہ ایک باطنی روحانی ضرورت کے تحت مشرف بہ اسلام ہوتے (مذہب مشرقِ وسطیٰ میں)

یہاں عربوں اور ایرانیوں کے تعلقات کے سلسلہ میں ایک غلط فہمی کو دور کرنا ضروری ہے عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایرانیوں نے عربوں کے خلاف ۷۴۷ء میں خراسان کے ابومسلم کے زیرِ قیادت بغاوت کی اور اموی خاندان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ لیکن اس نظریہ کی کلی طور پر اس بنیاد پر تردید کی جاسکتی ہے کہ (الف) اس تحریک کے رہنماؤں کی اکثریت عربوں پر مشتمل تھی جو حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں خراسان میں آباد کئے گئے تھے اور (ب) اس تحریک کا مقصد کسی ایرانی کو بطور خلیفہ مقرر کرنا نہیں تھا۔

ٹائن بی کہتا ہے: "ابومسلم کے نائبین میں خراسانی عربوں کی اکثریت تھی اور باغی شعوری طور پر ایرانی قوم پرستی کے مقصد کے لئے کام نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ یہ بغاوت اسلام کے مقصد کے لئے ایرانی، عرب، خراسانی مسلمانوں کی متحدہ کوشش تھی۔" (مطالعہ تاریخ جلد ۷) وہ افسر جس نے اموی خاندان کے مفرور خلیفہ مروان کو پکڑا اور ہلاک کیا، خراسانی عرب تھا۔ لہٰذا اس نظریہ کی کہ ایرانیوں نے اپنی شکست کا انتقام لینے کے لئے

اموی خاندان کی حکومت کا تختہ الٹا تھا، کوئی بنیاد نہیں ہے۔

اس نظریہ کی حمایت میں کہ ایرانی عربوں کے خلاف تھے مزید یہ کہا جاتا ہے کہ ابولولو جس نے حضرت عمرؓ کو شہید کیا، ایرانی تھا۔ لیکن اس نظریہ کے حامی اس بات کا ذکر نہیں کرتے کہ ابولولو عیسائی تھا اور ایران میں آکر بس گیا تھا اسے وطن پرستی کے کسی جذبے نے نہیں اکسایا تھا بلکہ اس نے مذہبی جنون کے تحت یہ اقدام کیا تھا جو تاریخ کے پورے دور میں عیسائیوں کی خصوصیت رہی ہے جس کا ثبوت صلیبی جنگوں کے دوران ان کی بربریت اور سینکڑوں مواقع پہ یورپ بھر میں یہودیوں کے قتلِ عام میں ملتا ہے۔

یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسلام کے ساتھ ایرانیوں کا تعاون ایران کی فتح سے بھی پہلے شروع ہوگیا تھا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والوں اور پیغمبرِ اسلامؐ کے قریب ترین صحابۂ کرام میں حضرت سلمان فارسی شامل تھے، جو ایرانی تھے۔ اسی طرح جب ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز کو رسولِ اکرمؐ کا خط ملا جس میں اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی، اس نے نہ صرف یہ خط پھاڑ ڈالا بلکہ اپنے یمن کے گورنر باذان کو حکم دیا کہ وہ پیغمبرِ اسلامؐ کو گرفتار کرکے ایران بھیج دے۔ گورنر نے نہ صرف اس حکم کی تعمیل نہیں کی بلکہ خود مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ اس کے ساتھ ایرانیوں کی کثیر تعداد جو یمن میں تعینات تھی رسولِ اکرمؐ کے زمانے میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئی۔ ان ایرانی سپاہیوں نے حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں شام اور مصر کی فتح میں عربوں کے دوش بدوش جنگ میں حصہ لیا۔ محمد کامل حسین کی کتاب "فاطمی خاندان سے پہلے مصر میں شیعیت" کا مندرجہ ذیل اقتباس انتہائی معلومات افزا ہے۔

" ان دستوں کے درمیان جنہوں نے واقعتاً فتوحات میں حصہ لیا، وہ متعدد سپاہی بھی تھے جو بنو الابنا کے نام سے مشہور تھے۔ یہ ایرانیوں کے ایک گروہ کی اولاد تھے جو باذان کی فوج میں (جو پیغمبرِ اسلامؐ کے زمانے میں یمن کا گورنر تھا۔) سپاہی رہے تھے اور حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے تھے۔ وہ اس نئے مذہب کو پھیلانے کیلئے جنگ میں حصہ لینے کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ وہ فلسطین اور مصر میں عمر بن العاصؓ کی فوج میں شامل ہوگئے۔ ان کے ساتھ عربوں جیسا سلوک کیا جاتا تھا اور انہیں عربوں کے ساتھ قاہرہ کے قریب فسطاط کے مقام پہ آباد کیا گیا تھا۔

عربی زبان اور اسلامی سائنسی علوم کی ترقی میں ایرانیوں کا حصہ عربی زبان اپنی منطقی اور انتہائی ترقی یافتہ اصول قواعد کی وجہ سے ایرانی دانشوروں کے لئے کشش رکھتی تھی۔ چنانچہ پانچ سو سال تک ایرانی عالموں نے خالصتہً عربی زبان میں تصنیف و تالیف کی اور اس اعلیٰ زبان کو سائنسی اور مذہبی دونوں مقاصد کیلئے استعمال کیا۔

وان گرون بام اسکی طرف اشارہ کرکے لکھتا ہے۔ " ان ایرانیوں نے جنہوں نے عربی زبان کی ترقی میں شاندار

کردار ادا کیا تھا، شاذ و نادر ہی اپنے قومی پس منظر پر زور دیا۔ (اسلام ایک ثقافتی روایت کی نوعیت اور ارتقاء مضامین) قرآن کریم کے عظیم مفسر زمخشری (ایک ایرانی ۱۱۴۳ء) اپنی تفسیر قرآن کے دیباچہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے انہیں عربی زبان کا علم اور شوق عطا فرمایا۔ ابن درید (۹۳۳ء) ابو الحسین فارس (اوائل گیارھویں صدی عیسوی) مہیار الدیلمی (۱۰۰۳ء) اور شریف الرازی (۱۰۱۶ء) ان ایرانیوں میں سے چند ایک ہیں جنہوں نے عربی شاعری میں نہایت اعلیٰ مقام حاصل کیا اور خود کو عربی زبان کے فروغ کے لئے وقف کر دیا تھا۔

نیشاپور کے ابو منصور کی کتاب یتیمۃ الدھر (زمانے کا نادر موتی) جو عربی نظموں کا ایک قابل قدر منتخب مجموعہ ہے اور جو تقریباً ۱۰۰۰ء میں لکھی گئی تھیں، اس دور (۳۵۰-۴۰۳ھ - ۹۶۱-۱۰۱۲ء) میں ایران کے ادبی احوال کے متعلق معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ اور اس سے عربی زبان کی وسعت کا غیر معمولی اندازہ ہوتا ہے کہ اسے ایران کے طول و عرض میں کس قدر فروغ دیا گیا تھا۔ ہم ایرانی شعراء کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے ایرانی سرپرستوں کو بہترین عربی نظموں میں مخاطب کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات وہ فی البدیہہ نظمیں بھی کہتے ہیں۔

ایک اور تصنیف القصر از الحسین ابن علی البخارزی (۱۰۷۴ء) میں ہمیں ان کثیر التعداد ایرانیوں کو دیکھ کر مسرت ہوتی ہے جن کا عربی نظموں کے مصنفوں کی حیثیت سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں بکثرت ایسے ایرانیوں کے نام ملتے ہیں جنہوں نے عربی میں نظمیں لکھیں اور نثر کے مجموعے شائع کئے۔

فارسی زبان کا طالب علم یہ محسوس کرتا ہے کہ اسے سنسکرت یا دوسری آریائی زبانوں سے اتنا سروکار نہیں ہے جتنا کہ عربی زبان سے ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ فارسی کے لئے عربی رسم الخط اختیار کیا گیا جس سے پوری زبان میں انقلابی تبدیلی پیدا ہو گئی۔

آٹھویں صدی سے تیرھویں صدی عیسوی تک اسپین سے سندھ تک پوری دنیائے اسلام ایک لسانی وحدت بن گئی تھی۔ دنیائے اسلام کا یہ اہم لسانی اتحاد ایرانیوں نے نہیں توڑا بلکہ ترکوں اور منگولوں نے اسے ختم کیا۔ اور فارسی کو درباری زبان کے طور پر اختیار کر لیا۔ ترک حکمران مثلاً غزنوی، سلجوقی اور تیموری خاندانوں کے دور میں عظیم ترین فارسی شعراء پیدا ہوئے جنہیں اعلیٰ مدارج سے سرفراز کیا گیا۔ ترکوں اور منگولوں کے دور حکومت ہی میں فارسی کو فروغ حاصل ہوا۔

ایرانی ادب محمود غزنوی کے زمانہ (۱۰۰۰-۱۰۳۰ء) میں اپنے انتہائی عروج پر پہنچ گیا۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس کے بعد میں بہت سے ایرانی مصنفین عربی زبان میں لکھتے رہے۔ اسی طرح بہت سے عرب مصنفین بھی ایرانی ثقافت اور ادب میں جذب ہو گئے اور انہوں نے فارسی میں کتابیں لکھیں۔ "عربوں اور ایرانیوں کے کردار اور خصوصیات کے اس باہمی امتزاج سے نہایت اہم ثقافتی نتائج پیدا ہوئے۔" (ڈاکٹر ایس۔ ایم عبداللہ: اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن سیریز II)

بالآخر ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کی تباہی اور ایران میں اس کی حکومت کے قیام کے بعد جس کا سلسلہ سو سال سے زیادہ عرصہ تک قائم رہا عربی زبان کی جگہ فارسی کو دیدی گئی - ہم ذیل میں ایرانیوں کے اس اعلیٰ کردار کا خلاصہ بیان کرتے ہیں جو انہوں نے اسلام کے متعدد مذہبی علوم کے سلسلہ میں ادا کیا :

ا - پیغمبر اسلام کی زیادہ تر سوانحعمریاں ایرانیوں نے لکھیں -

ب - احادیث کے چھ مجموعوں میں سے جنہیں سنی مسلمانوں نے مستند تسلیم کیا ہے ، چار ایرانیوں نے مدون کیں -

ج - سب سے مقبول سنی فقہ حنفی کو ایک ایرانی نے رائج کیا -

د - سب سے مشہور صوفی سلسلے ایرانیوں نے شروع کئے - یہی وہ منظم نظام تھا جس نے برصغیر اور جنوب مشرق ایشیا میں اسلام پھیلایا -

ہ - دسویں صدی عیسوی میں خراسان کے شاہی خاندان سامانی نے ترک قبیلوں کو مشرف بہ اسلام کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا - یہی وہ ترک قبیلے تھے جنہوں نے غزنوی اور سلجوقی خاندانوں کی داغ بیل ڈالی ، جن کے کارناموں کی تاریخ کے صفحات میں نظیر نہیں ملتی -

و - ایرانیوں نے مسلمانوں کے بہترین اور قابل ترین منتظمین اور سیاست دان پیدا کئے -

اب ہم مذکورہ بالا بیان کو واقعات سے ثابت کرتے ہیں صحیح بخاری کے مصنف محمد بن اسمٰعیل البخاری - (وفات ۸۷۰ء) صحیح مسلم کے مصنف مسلم بن الحجاج تشتری (وفات ۸۷۵ء) ترمذی کے مصنف محمد بن عیسیٰ ترمذی (وفات ۸۹۲ء) اور النسائی (وفات ۹۱۴ء) ایرانی تھے -

اسی طرح قرآن کریم کے بہترین مفسرین مثلاً تفسیر کبیر کے مصنف امام فخر الدین رازی ، انوار التنزیل کے مصنف قاضی نصیر الدین بیضاوی تفسیر کاشف کے مصنف علامہ محمود بن عمر مخشری اور تفسیر تستری کے مصنف بیہقی بن مفضل تستری ایرانی تھے -

پہلا شخص جس نے اصول قانون کے موضوع پر لکھا وہ بھی ایک ایرانی نعمان بن ثابت ابوحنیفہ تھے - ان کا مرتب کردہ فقہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ مقبول ہے -

بہت سے عظیم صوفی مثلاً حضرت عبد القادر جیلانی ، حضرت شہاب الدین عمر سہروردی ، عبد الرحمٰن جامی ، عبد الکریم جیلی ، بایزید بسطامی ، نجم الدین کبریٰ ، علی الہجویری ، خواجہ معین الدین چشتی ، ایرانی تھے - اسی طرح امام غزالیؒ جو کہ ایک عظیم صوفی اور اسلام کے عظیم ترین ماہر دینیات تھے ، وہ بھی ایرانی تھے ، جیسا کہ روسی پروفیسر اے - ای کرائمسکی نے اشارہ کیا ہے : "یہ وہ ایرانی تھے جنہوں نے دینی سائینس کے میدان میں نمایاں کردار ادا کیا اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اسے ایک نظام کی شکل دی اور اسے تقویت پہنچائی ۔"

اب ہم تاریخ نگاری کے فن کی طرف آتے ہیں۔ انتہائی قابلیت کے حامل مسلم مؤرخین کی اکثریت ایرانی تھی۔ جن میں سے چند یہ ہیں: یعقوبی، طبری، سیوطی، ابن اثیر، ابن کثیر، بلاذری، دارقطنی، بیہقی، واقدی، جمال الدین ابوالقاسم کاشانی، علی طاہر البغدادی، شرف الدین، علی یزدی، الملک جوینی، عبدالرزاق سمرقندی، دناوری، ابوالفرج علی بن حسین الاصفہانی، المکاری، ابن قتیبہ وغیرہ۔

یحیٰ برمکی، جعفر برمکی اور خالد برمکی جنہوں نے عباسی دورِ حکومت میں اہم خدمات انجام دیں، ایرانی تھے۔ وہ بہترین منتظم تسلیم کئے جاتے تھے۔ اسی طرح خواجہ حسن نظام الملک طوسی ایک ایرانی تھے، جنہوں نے سلجوق خاندان کے سلطان الپ ارسلان اور ملک شاہ کے تحت وزیرِ اعظم کی حیثیت سے فرائض انجام دئے۔ انہیں دنیا کے قابل ترین سیاستدانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی کتاب "سیاست نامہ" مسلم سیاسی فکر اور مسلم سیاسی نظام پر ایک مستند اور معیاری تصنیف ہے۔

اسی طرح ایرانیوں نے پیغمبرِ اسلامؐ کی سوانحعمریاں (سیرت) بڑی محنت اور جانفشانی سے مرتب کیں۔ اور رسولِ اکرمؐ کے ارشادات (احادیث) کو مرتب کیا اور اسلامی دینیات کی تشکیل کی۔ سائنسی موضوعات پر بڑی کاوش سے کتابیں تصنیف کیں۔ قانون کے میدان میں بھی وہ پیچھے نہ تھے۔ ان حقائق کی بنا پر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایرانیوں نے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ مسلم ثقافت کی تعمیر میں حصہ لیا۔

بہرحال یہ ایک طرفہ معاملہ نہیں تھا۔ عرب بھی ہمہ گیر قابلیت کے حامل تھے اور تخلیقی مفکر تھے۔ انہوں نے تقریباً ہر میدان میں پہل کی اسے عملی شکل دی اور انتہائی بلندیوں تک پہنچایا۔ عرب اور ایرانیوں کی دوستی ایک ایسا مثالی امتزاج تھا جس کے شاندار نتائج برآمد ہوئے اور اس سے نوعِ انسانی کو عام طور پر اور مسلمانوں کو خاص طور پر بے انتہا فائدہ پہنچا۔

"عربوں کی فطری صلاحیت میں ایرانی فکر سے تحریک پیدا ہوئی اور عرب اور ایرانیوں کے اوصاف ایک دوسرے کے لئے معاون ثابت ہوئے۔ عربی سائنس کا کرشمہ زیادہ تر عربی زبان کی قوت اور اسلامی عقیدے میں ایرانیوں کے تجسس کا رہینِ منت تھا۔ عربی سائنس عرب سائنسی ذہانت کا ثمر تھا جسے ایرانی ذہانت نے بارآور کیا۔"
(جارج سارٹن انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف سائنس)

اے۔ جی براؤن کے مطابق "ایک زمانے میں ایران اور عربوں کی ذہنی اور سیاسی زندگی اس قدر گہرے طور پر مربوط اور ایک دوسرے سے مشابہ تھی کہ اسلام کے ارتقاء سے متعلق تحقیق کے لئے ان دونوں کا مشترک مطالعہ ضروری ہے۔

نولڈیک کے مطابق "یونانی تہذیب کبھی بالائی سطح سے زیادہ ایرانی زندگی میں داخل نہیں ہوئی اس کے

برخلاف عربوں کا مذہب اور ان کے طور طریقے ایرانیوں کی رگ و پے میں سرایت کر گئے تھے۔" ایرانیوں نے اپنے آپ کو اس اسلامی سلطنت میں جذب کر لیا تھا جو لزبن سے لاہور تک پھیلی ہوئی تھی۔

" اسلام میں غیر عرب عناصر کا عربوں کے ساتھ حلول اور انجذاب ایسی تیز رفتاری سے عمل میں آیا کہ اسکی مثال نوعِ انسانی کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔" (ای۔جی براؤن)

عربوں اور ایرانیوں کی یہ اسلامی تہذیب جسکی مشترکہ زبان عربی تھی منگولوں کی یلغار کے بعد انحطاط پذیر ہو گی مسلمانوں نے اس سانحہ کے بعد بھی اپنے وجود کو برقرار رکھا۔ انہوں نے خود کو سنبھالا دیا۔ اور پھر وہ مشرقی یورپ ایشیا اور افریقہ میں نئے افقوں کی تلاش میں آگے بڑھے۔ تاہم وہ ذہنی قوت اور قوتِ حیات جو عرب ایران کے امتزاج سے پیدا ہوئی تھی، شاذ و نادر ہی کہیں بڑے پیمانے پر موجود تھی۔ البتہ انفرادی ذہنی صلاحیت کی چنگاریاں اب بھی موجود تھیں۔

نسلی تشکیل | اس برادرانہ وابستگی کے متعلق بحث کرنے کے بعد جو عربوں اور ایرانیوں کے درمیان موجود تھی اور آخر الذکر نے عربی زبان کی ترقی میں جو عظیم کردار ادا کیا تھا، ہم ایرانیوں کی نسل اور مذہب کے اہم پہلوؤں پر اظہارِ خیال کریں گے۔ چونکہ ایران اس وقت انتہائی مشکل دور سے گذر رہا ہے۔ جو اس کی تاریخ میں نقطۂ انقلاب ثابت ہو سکتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ حقائق کو پوشیدہ رکھے بغیر خواہ وہ کتنے ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہوں صحیح منظر پیش کر دیں۔ اس سے دنیا کے لوگ ایران کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے اور غیر جذباتی طور پر صورتحال کا تجزیہ کر کے مفید نتیجہ پر پہنچ سکیں گے۔

یہ عام تصور کہ ایرانیوں نے ابتداء ہی سے شیعیت کو قبول کیا تھا۔ اور اس کے ذریعہ اپنا قومی تشخص قائم کیا کلی طور پر بے بنیاد ہے جسکی کوئی اساس نہیں۔ ہم اس باب میں دلائل سے ثابت کریں گے کہ اہلِ ایران نے سنی مذہب اختیار کیا تھا اور اس پر نو سال تک قائم رہے۔ حتیٰ کہ سولہویں صدی عیسوی میں صفوی حکمرانوں نے انہیں بزورِ شمشیر شیعہ مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔

اسی طرح ایران کے لوگ آریائی نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے۔ آج کے ایران کے شہری ایک مخلوط قوم ہیں جو ایشیا کی اُن مختلف نسلوں پر مشتمل ہے جو ان علاقوں میں گذشتہ کئی صدیوں کے دوران آباد ہو گئی تھیں۔ اس کی تفصیلات پر یہاں ہم روشنی ڈالیں گے۔

موجودہ ایرانی قوم میں نہ تو لسانی اعتبار سے اور نہ نسلی لحاظ سے یکسانیت پائی جاتی ہے۔ جدید ایران کی آبادی جن خاص عناصر پر مشتمل ہے، وہ یہ ہیں:۔ ۱۔ عرب جو کہ زیادہ تر صوبہ خوزستان میں پائے جاتے ہیں یہ صوبہ اس صدی کے آغاز میں عربستان کے نام سے مشہور تھا اس کے علاوہ عربوں کی اولاد کافی تعداد میں خراسان میں بھی پائی جاتی ہے۔ جہاں عرب بدوی قبیلے حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں تاتاریوں سے دفاع کے لئے آباد کئے گئے تھے۔ ۲۔ کرد شمال مغربی علاقہ کے کرمان شاہ کے صوبے میں پائے جاتے ہیں۔ ۳۔ ترک آذربائیجان، خراسان

اور گروہوں کی شکل میں ایران کے تمام علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے دورِ حکومت میں ترکوں کی بھاری تعداد وسطی ایشیا سے یہاں آنا شروع ہوئی جس کا سلسلہ غزنوی، سلجوقی، خوارزم شاہی، تیموری، صفوی اور قاچاریوں کے زمانے تک جاری رہا۔ علاوہ ازیں منگولوں کے متعدد گروپ ہلاکو خاں اور ان کی اولاد کے دور میں یہاں آباد ہو گئے تھے۔ ۴۔ بلوچی ایرانی بلوچستان کے علاقہ میں جو پاکستانی سرحد سے بندر عباس تک پھیلا ہوا ہے آباد ہیں۔ ۵۔ پارتھیس یا قدیم ایرانی جو وسطی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس طرح آج کی ایرانی قوم پانچ خاص گروپوں پر مشتمل ہے۔ عرب، کرد، ترک، بلوچ اور قدیم ایرانی۔

رچرڈ فرائی کی کتاب "ایران" کے درج ذیل اقتباسات نہایت ہی معلومات افزا ہیں۔ "خوزستان کا جنوب مغربی صوبہ حقیقت میں عراق کے میدانی علاقوں کی ایک توسیع ہے۔ یہاں زیادہ تر مقامی آبادی عربی زبان بولتی ہے لیکن خوزستان کے عرب جدید ایران کی حکومت یا معیشت میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ خوزستان کے ایرانیوں اور عربوں کے تعلقات کو بمشکل خوشگوار کہا جاسکتا ہے۔

"ایران میں سب سے بڑا اقلیتی گروپ ترکوں پر مشتمل ہے جو آذربائیجان اور خراسان میں آباد ہیں۔ آذربائیجا کے جنوب میں صوبہ فارس میں ترکی قشقائی قبائلی اس صوبے کے سب سے زیادہ طاقتور خانہ بدوش ہیں۔ جبکہ خراسان کے مشرقی حصہ میں افشار ترکی قبیلہ کے لوگ بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔"

"مشرق قریب پر ترکوں کے حملے یا ان کی یلغار نے اس پورے علاقہ کا نقشہ بدل دیا۔ گیارھویں صدی عیسوی کے سلجوق فاتحین کے زمانے سے پہلی جنگ عظیم تک مشرق قریب کے حکمران زیادہ تر ترکی النسل تھے۔ لیکن عرب اور ایرانیوں نے کبھی ان کی حکومت کی مذمت نہیں کی۔ یہ کم و بیش عام عقیدہ تھا کہ ترک لوگوں کا مقدر حکمرانی کرنا ہے۔ جبکہ ایرانی فنون کے ماہر ہیں۔ اور عرب مذہب سے وابستہ ہیں۔

....۱ء سے اب تک پورے ایران یا اس کے بعض حصوں پر مندرجہ ذیل شاہی خاندان حکومت کرتے رہے جو زیادہ تر ترک تھے۔

غزنوی ....۱ء، سلجوقی ۱۰۳۷ء - ۱۱۹۴ء، خوارزم شاہی ۱۱۳۰ - ۱۱۶۰ء اور اتابک ۱۱۴۸ء ۱۱۶۵ء، منگول ۱۲۵۸ - ۱۳۸۰ء، تیموری ۱۳۸۰ - ۱۵۰۰ء، صفوی ۱۵۰۲ - ۱۷۳۶ء، افشار ۱۷۳۶ - ۴۷ء، قاچار ۱۷۷۹ - ۱۹۲۵ء

غزنوی، سلجوقی، خوارزم شاہی، اتابک، تیموری، صفوی، افشار اور قاچار خالصتاً اور مکمل طور پر ترک تھے۔ گو شاہ اسمٰعیل صفوی کا دعویٰ تھا کہ وہ پیغمبر اسلامؐ کی اولاد میں سے ہیں۔ لیکن ان کی فوج ترک سپاہیوں پر مشتمل تھی جو قزلباش کے نام سے مشہور تھی ان ہی قزلباش ترکوں نے صفوی دور میں ایران پر حکومت کی۔

آرنولڈ ٹوئن بی کے مطابق "کوئی بھی دوسری نسل اسی قدر مخلوط نہیں ہے جتنی کہ ایرانی۔ ان کی رگوں میں مختلف

خون دوڑ رہے ہیں۔ یہ مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ آج بھی ایران کی صرف دو تہائی آبادی فارسی زبان یا اس کی مقامی بولیاں بولتی ہیں۔"

اس طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آج کے ایران کے لوگ مشرقِ وسطیٰ، وسطی ایشیا اور جنوب ایشیا کے حصوں کے تمام مسلمانوں کی نسلوں پر مشتمل ہیں۔ یہ صورتِ حال ایک ایسی سرزمین میں فطری بات تھی جو مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب کے سنگھم پر واقع ہے۔ اس کی منفرد جغرافیائی حیثیت کے پیش نظر یہ مشرق وسطیٰ، وسطی ایشیا، اور جنوب ایشیا کے واقعات سے گہرے طور پر متاثر ہوا ہے۔ اور اس نے اپنی سرحدات سے باہر ہر سمت میں گہرا اثر ڈالا ہے۔ مزید برآں لوگوں کے ہر گروہ نے جو ایران میں آباد ہے، اپنی تاریخ کے کسی نہ کسی مرحلہ پر شاندار کردار ادا کیا ہے۔

عباسی سلطنت کے ابتدائی عرب دور نے پوری دنیا کے لئے مینارِ نور کا کام دیا۔ ایران نے اس مدت کے دوران عربوں کے اشتراکِ عمل سے مذہبی اور سائنسی میدانوں میں فائدہ اٹھایا۔ سلجوقی دور میں ثقافتی اور ذہنی سرگرمیاں جن بلندیوں تک پہنچیں وہ اس قدر مشہور ہے کہ یہاں ان کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ تیموری اپنے دور میں فنونِ لطیفہ اور فنِ تعمیر کے زبردست سرپرست ثابت ہوئے۔

تیمور کے بیٹے اور پوتے شاہ رخ، مرزا الغ بیگ، اور سلطان حسین مرزا نادر کتابوں کے بیحد دلدادہ تھے وہ اس میدان میں برگنڈی کے ڈیوک یا انجاؤ کے شاہ بننے سے سبقت لے گئے تھے جو ان کے ہم عصر تھے اور سولہویں اور سترھویں صدی کی کتابوں کے مشہور فرانسیسی اور اطالوی شیدائیان کتب سے زیادہ مشہور تھے۔ انہوں نے نہ صرف نادر کتابیں جمع کیں بلکہ کتابیں تخلیق کیں۔ حسین مرزا نے کتابوں کا ایک نیا اسلوب نکالا جو انتہائی فنکارانہ تھا۔

یورپ کی نفیس ترین کتابیں اور مسودات بھی ان مشرقی کتابوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اس طرح تیموری ایران میں کتابوں کے شاندار اسٹائل کے بانی تھے۔ وہ بجا طور پر دنیا کے عظیم ترین شائقین کتب کی حیثیت سے یاد رکھے جانے کے قابل ہے۔

مزید برآں تیموری خاندان کے دورِ حکومت میں نفیس ترین قالین تیار کئے جاتے تھے۔ اس صنعت کو تیموریوں سے جو تقویت حاصل ہوئی وہ اس قدر موثر تھی کہ اس کا اثر سولہویں صدی کے بیشتر حصہ میں برقرار رہا جو صفویوں کا دور تھا۔

(باقی آئندہ)
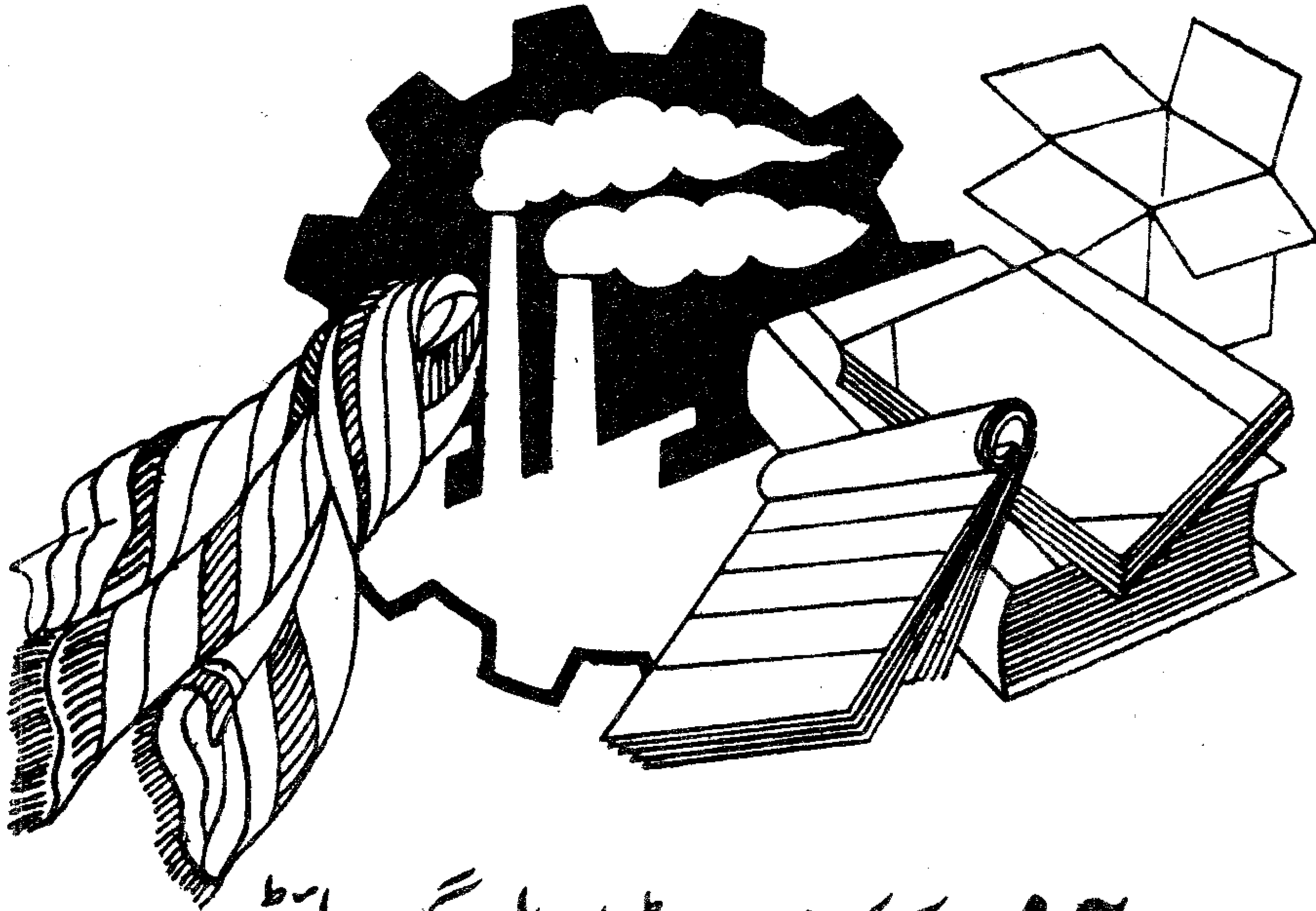
مولانا مدار اللہ مدرار۔ مردان

خوشحال خان خٹک

اور

بایزید

مئوقر ماہنامہ "الحق" مجریہ جولائی ۱۹۸۰ء میں ایک مضمون زیر عنوان "خوشحال خان خٹک شاعر اسلام" نظر سے گذرا۔ جس کے ضمن میں حضرت اخوند درویزہ بابا اور بایزید کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا تھا۔

" اخوند درویزہ اور بایزید کی پشتو نثری تحریروں میں بھی مذہبی مسائل اور عقائد پر بحث کی گئی ہے۔"

اور یہی الفاظ میرے اس مضمون کے محرک بنے۔ ہمارے بعض ادیب اور دانشور بایزید کے مذہبی عقائد سے بہت متاثر ہیں۔ اور وہ اس کو مذہبی مسائل اور اسلامی عقائد کا بڑا مبلغ سمجھتے ہیں۔ چونکہ متذکرہ مضمون میں خوشحال خٹک کی اسلامی شاعری کو بڑی خوبی کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔ کہ خان موصوف ملت افاغنہ کے ایک غیور و جسور فرزند ہونے کے علاوہ گوناگوں خوبیوں کے حامل اور اسلام کے بڑے داعی تھے۔ اور ان کے علم و فضل کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے فقہ کی مشہور کتاب "ہدایہ" کا پشتو میں ترجمہ کیا تھا۔ اسی طرح ان کے لائق فائق فرزندوں اور پوتوں نے بھی ملت افاغنہ میں علم و دانش اور اسلامی دعوت کے فانوس روشن کر رکھے تھے۔ اسی بنا پر میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ خوشحال خان خٹک اور ان کے علمی گھرانے کے حوالے سے ہی یہ بات واضح کردوں کہ بایزید کی اصل حقیقت کیا تھی۔

خوشحال خان حضرت اخوند درویزہؒ کے ہم عصر اور ہم علاقہ تھے۔ اخوند درویزہ بابا ۱۰۴۸ھ میں فوت ہوئے تھے اور خوشحال خان کی پیدائش ۱۰۲۲ھ میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے اخوند درویزہ بابا کی وفات کے وقت خوشحال خان کی عمر ۲۶ سال تھی اور وہ اس چپقلش سے بخوبی آگاہ تھے۔ جو حضرت اخوند درویزہؒ اور بایزید کے درمیان ہوئی تھی۔ اندریں اثنا یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ نہ صرف خوشحال خان بلکہ ان کا سارا خاندان اور قبیلہ مغلوں کا سب سے زیادہ مخالف تھا۔ اور مخالفت کا یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا۔ خود خوشحال خان خٹک ایک مدت تک مغلوں کے قید و بند میں رہے ہیں۔ اور مغلوں کے ہاتھوں شدید مصائب و آلام کا شکار رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میری قبر مغلوں کی بنائی ہوئی شاہراہ سے اتنی دور بنائی جائے جہاں مغلوں کے گھوڑوں کی

تاپ میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔

خوشحال خاں پچاس کتابوں کے مصنف ہیں ان کا دیوان ایک ضخیم کتاب ہے جسے دوست محمد خاں کامل مرحوم نے "کلیات خوشحال خاں خٹک" کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ یہ پشتو شعر و ادب میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ جس میں ہر صنف سخن اور مختلف کوائف و حوادث زمانہ پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ خان بابا نے ملت افاغنہ کو ہمہ گیر اسلامی تعلیمات اور گراں قدر نصائح سے نوازا ہے۔ انہوں نے اپنے دیوان میں حضرت اخوند درویزہ اور بایزید کا موازنہ کر کے ملت افاغنہ کو بتا دیا ہے کہ حضرت اخوند درویزہ دعوت اسلامی کے علمبردار تھے جبکہ بایزید کی حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اسی طرح خوشحال خاں کے بیٹوں اور پوتوں نے بھی بایزید کے عقائد کی بالاتفاق مخالفت کی ہے اور حضرت اخوند درویزہ کی دعوت و تبلیغ کی برملا حمایت کی ہے اور ہم تحدی کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارے اس دعوے کی تردید کسی کے بس کی بات نہیں۔

اب میں "کلیات خوشحال خاں خٹک" سے وہ تاریخی اور یادگار شعر پیش کرتا ہوں جس میں انہوں نے شیخ الافغان حضرت اخوند درویزہؒ اور بایزید کے دینی کردار کا موازنہ کرتے ہوئے صاف اور واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ

"اخوند درویزہؒ دین و ایمان کے مبلغ تھے اور بایزید کفر کی تلقین کرتا تھا"

خان بابا کا وہ تاریخی اور عظیم شعر یہ ہے۔ ۵

زہ دَ درویزہ غوندې ایمان ښیم ورته
دے دَ پیر روښان غوندې دَ کفر کا تلقین

ترجمہ۔ میں اخوند درویزہ کی طرح اس کو ایمان سکھاتا ہوں اور یہ پیر روشان کی طرح کفر کی تلقین کرتا ہے۔[۵۱]

کامل صاحب نے کلیات خوشحال خاں خٹک میں جابجا خان بابا کے اشعار پر حاشیے بھی لکھے ہیں۔ متذکرہ شعر پر کامل صاحب نے جو حاشیہ لکھا ہے وہ یہ ہے:-

"اخوند درویزہؒ صاحب پختونوں کے بڑے مبلغ عالم تھے۔ پشتو مخزن الاسلام کے مصنف اور مغل اکبر بادشاہ کے عہد میں پیر روشان (پیر تاریک) کے عقائد کی تبلیغ کرتے تھے۔"[۵۲]

یہاں کامل صاحب کے حاشیے میں یہ بات قابل غور ہے کہ انہوں نے اخوند درویزہؒ کو پختونوں کے بڑے مبلغ عالم کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے اور بایزید کے خلاف ان کی جدوجہد کو کسی برے نام سے یاد نہیں کیا ہے بلکہ اسے تبلیغ کا نام دیا ہے۔

---

۵۱ بحوالہ کلیات خوشحال خاں خٹک مرتبہ کامل ص ۲۳۳ ۵۲ ایضاً

خوشحال خاں خٹک نے اپنے متذکرہ شعر میں حضرت اخوند درویزہ اور بایزید کے کردار پر جو روشنی ڈالی ہے اور اس ضمن میں پختونوں کو جو تعلیم دی ہے اس کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ ہمارے ادباء و شعراء صاحبان اس کو بلا چون و چرا تسلیم کریں۔ اور اب تک انہوں نے سرحد کے دو بزرگوں حضرت پیر بابا اور حضرت اخوند درویزہ بابا کے دامنِ مقدس پر مغل پرستی کے جو ناپاک داغ لگائے ہیں اور ان کے خلاف جو بہتان تراشیاں کی ہیں ان سے علی الاعلان اظہار بیزاری کریں اور بے جا تعصب سے حق کی طرف کھلے دل کے ساتھ رجوع فرمائیں۔ بصورت دیگر ارباب انصاف خود یہ فیصلہ کریں کہ ہمارے یہ ادبا و شعرا صاحبان خوشحال خاں خٹک کی عقیدت و محبت کا دم بھرنے میں کہاں تک سچے ہیں۔ ولنعم ماقیل

اَلْمُحِبُّ لِمَنْ یُّحِبُّ یُطِیْعُ

محبت کرنے والا اپنے محبوب کی پیروی کرتا ہے

خوشحال خاں کی طرح ان کے نامور فرزندوں اور پوتوں نے بھی بایزید کے عقائد کی مخالفت کی ہے۔ خان بابا کے بیٹوں میں عبدالقادر خان خٹک ایک بڑے عالم فاضل تھے۔ مشہور انگریز مستشرق میجر راورٹی لکھتے ہیں۔

عبدالقادر خان ساٹھ کتابوں کے مصنف تھے[۱] وہ تصوف اور سلوک کے ساتھ بھی تعلق رکھتے تھے اور علم و ادب کے میدان میں اپنے والد بزرگوار خوشحال خان خٹک کا نمونہ تھے۔ بایزید کے بارے میں ہم اس نامور پختون ادیب و عالم کی شہادت بھی پیش کرتے ہیں۔ عبدالقادر خاں بایزید کے کاموں کو یزید کے کاموں سے تشبیہ دیتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ میں بایزید جیسے پیروں سے بیزار ہوں چنانچہ کہتے ہیں ؎

خان بایزید بولی کار و نہ د یزید کا لہ شیخانو ځکہ زہ بے اعتقادیم

ترجمہ۔ اپنے آپ کو بایزید کہلاتا ہے لیکن وہ کام یزید کے کرتا ہے اس لئے میں ایسے پیروں پر عقیدہ نہیں رکھتا۔[۲]

عبدالقادر خان کے اشعار پر ہمیش خلیل صاحب نے جا بجا حاشئے لکھے ہیں۔ اس شعر میں بایزید کے لفظ پر خلیل صاحب نے یہ حاشیہ لکھا ہے۔

"مطلب بایزید روشن ہے"۔[۳]

خوشحال خاں کے نامور پوتے افضل خان جو اشرف خان ہجری کے بیٹے ہیں۔ بایزید کے عقائد کے خلاف اور اخوند درویزہ بابا کے حامی اور معتقد ہیں۔ ہم اختصار کی خاطر ان کی مشہور کتاب "تاریخ مرصع" (پشتو) سے ایک مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں

---

[۱] پشتو زبان و ادب کی تاریخ ص ۵۳ [۲] دیوان عبدالقادر خان خٹک ص ۸۸ [۳] ایضاً

" بایزید ہندوستان چلاگیا۔ کلنجر کے مقام پر اس کی ملاقات ملّا سلیمان سے ہوئی۔ اس سے علم تناسخ سیکھا۔ اور تناسخی عقیدہ اختیار کیا۔" [1]

خوشحال خان خٹک اور ان کے علمی گھرانے کی مذکورہ بالا شہادتوں سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح ثابت ہوئی کہ بایزید کے ساتھ اخوند درویزہ بابا کی چپقلش حق پر مبنی تھی۔ اور یہ معاذ اللہ مغلوں کے اشارے پر نہ تھی۔ ورنہ خوشحال خان اور ان کا غیور علمی گھرانہ اخوند درویزہ بابا کی مخالفت میں پیش پیش ہوتا۔ اور بایزید کی حمایت پوری قوت کے ساتھ کرتا کیونکہ مغلوں کے اصل دشمن خوشحال خان اور ان کے خویش و اقارب ہی تھے۔

اس کے علاوہ خوشحال خان خٹک اخوند درویزہ بابا کی کتابوں کو بڑی قدر و منزلت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ خصوصاً "مخزن الاسلام" کی تو انہوں نے اپنے اشعار میں جا بجا بہت تعریف کی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

دوه کارونه دي په سوات کښې که خفي دي که جلي

یو "مخزن" دَ درویزه دے بل دفتر دَ شیخ ملي

ترجمہ۔ سوات میں دو کام بہت نمایاں ہیں۔ ایک اخوند درویزہ کا مخزن الاسلام اور دوسرا شیخ ملی کا دفتر ہے۔

ایک دوسری جگہ خوشحال خان بابا لکھتے ہیں کہ سواتی قوم کی نظر میں "مخزن الاسلام" کی اتنی قدر و منزلت ہے کہ اگر افلاطون بھی زندہ ہو کر سوات آجائیں اور ان کے سامنے مخزن کے مقابلے میں اپنی حکمت کی باتیں بیان کریں تو یہ ان کی باتوں کو پس پشت ڈال کر کہیں گے کہ اخوند درویزہ کا مخزن اچھا ہے

که ژوندے شي افلاطون سوات کښې اوسيي سکون

دوي به وائي چه داخه دي "مخزن" بنه دے داخون

پختونخوا کے چار علمی گھرانوں میں خوشحال خان کے علاوہ ایک اخوند درویزہ بابا کا علمی گھرانہ ہے جس کو سب پر اولیت حاصل ہے۔ تیسرا چمکنی کے حضرت میاں محمد عمر صاحبؒ کا اور چوتھا روہیل کھنڈ کے نامور شہید حافظ رحمت خان کا علمی گھرانہ ہے۔ پیر معظم شاہ صاحب نے "تواریخ رحمت خانی" کے نام سے پختونوں کے ایک حصّے کی جو تاریخ لکھی ہے اس میں جہاں جہاں اخوند درویزہ باباؒ کا ذکر آیا ہے تو ان کا نام بڑے احترام کے ساتھ لیا ہے۔ اور نہ انہیں نہ صرف محققین کے زمرے میں شمار کیا ہے بلکہ انہیں "عمدۃ المحققین اور برہان السالکین" کے خطابات سے یاد کیا ہے۔ [2]

---

[1] تاریخ مرصع ص ۱۴۳ [2] تواریخ حافظ رحمت خانی ص ۱۴۶

اور پختونخوا کے روہیلہ خاندان کے علمی گھرانے کے نامور عالم فاضل شہید حافظ رحمت خان صاحب اپنی کتاب "خلاصۃ الانساب"
میں اخوند درویزہ بابا کا ذکر اس انداز میں کرتے ہیں۔

عمدۃ المحققین، اسوۃ السالکین اخوند درویزہ قدس سرہ نے تذکرۃ الابرار والاشرار میں لکھا ہے[1]۔

حضرت اخوند درویزہؒ اور بایزید کی چپقلش کے بارے میں خوشحال خان اور ان کے علمی گھرانے کی مذکورہ تاریخی اور عصری شہادتوں سے یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہوگئی کہ حضرت اخوند درویزہ مبلغ دین و ایمان تھے۔ اور بایزید کفر کی تلقین کرتا تھا۔ اور یزیدی اعمال کا مرتکب تھا۔ اور تناسخی عقیدہ رکھتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ تناسخ یعنی آواگون کا عقیدہ دین و ایمان کے قطعی منافی ہے۔ اس کے علاوہ پختونخواہ کے دوسرے علمی گھرانوں کی معتبر عصری اور تاریخی شہادتیں بھی پیش کی گئیں جن میں اخوند درویزہ بابا کو عمدۃ المحققین۔ برہان السالکین۔ اسوۃ السالکین اور پختونخوا کے بہت بڑے مبلغ اسلام کے قابل قدر خطابات سے نوازا گیا ہے۔ اور پختونخوا کی ان قابل اعتماد عصری اور تاریخی شہادتوں کی روشنی میں یہ ناممکن ہے کہ کوئی صاحب علم و انصاف ہمارے پیش کردہ دعوے کی صداقت اور حقانیت سے انکار کر سکے۔

آنچہ گفتم دلیلش آوردم تو ہم بقول خود دلیل بیار

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت اخوند درویزہ اور بایزید کے بارے میں پاکستان کے دو مشہور محققین مولانا غلام رسول مہر اور شیخ محمد اکرام ایم اے کی کتابوں "سید احمد شہید" اور "رود کوثر" سے دو مختصر اقتباس پیش کئے جائیں جن کی روشنی میں قارئین کو زیر بحث مسئلے کے بارے میں اپنی رائے قائم کرنے کے بارے میں مزید مدد ملے گی۔ مولانا مہر لکھتے ہیں۔

"کمٹ فروسہ کے قریب پیر تاریک کی قبر تھی اس کا نام بایزید تھا تجارت کے سلسلے میں ہندوستان آیا۔ جالندھر میں شادی کی۔ پھر نیا مذہب پیدا کیا۔ اور اپنا نام پیر روشن رکھا۔ دیندار لوگوں نے اسے پیر تاریک کا خطاب دیا۔ اخوند درویزہ نے اس کے فتنے کو ختم کرنے کے لئے بڑی ہمت کی۔ آخر بایزید بری حالت میں مرا۔ اس کے بیٹوں نے فتنہ اٹھایا وہ بھی مارے گئے[2]۔"

اور جناب شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

"فرقہ روشنیہ اور مغلوں کی کشمکش کا اتار چڑھاؤ ہوتا رہا لیکن اس فرقے کے زوال کا اصل باعث وہ مسلسل مخالفت

---

[1] خلاصۃ الانساب ص ۷۵ [2] سید احمد شہید مطبوعہ ۱۹۶۶ء ص ۴۲۵

تھی۔جو ان کے عقائد وخیالات کی ان کے اپنے علاقے میں ہوئی۔سرحد میں اس وقت کئی فاضل علماء ایسے تھے جو جانتے تھے کہ میاں بایزید کی قرآن وحدیث کی ترجمانی صحیح نہیں۔انہوں نے میاں بایزید کی سخت مخالفت کی۔ان میں اخوند درویزہ کو بڑی شہرت ہے جن کا تفصیلی ذکر ہم آیندہ صفحات میں کریں گے۔انہوں نے روشنائی خیالات کی تردید میں فارسی اور پشتو رسائل لکھے۔اور اسلام سے متعلق صحیح واقفیت عام کرنے کے لئے مستقل کتب تصنیف کیں[1]

اب آخر میں بایزید کے چند مذہبی مسائل بھی سنیئے۔

بایزید۔استنجا،حیض۔نفاس منی کے خروج اور اندام نہانی میں عضو مخصوص کے دخول جیسے نازک مسائل کے بارے میں فقہ اور حدیث سے نہیں بلکہ ایک شاگرد کی طرح اللہ تعالیٰ سے براہ راست سوال کرتا ہے اور معاذاللہ اللہ تعالیٰ استاد کی طرح اس کو اسی وقت جواب دے دیتا ہے اور یہ جواب ندا اور خطاب کے طور پر ہوتا ہے۔"خیر البیان" کا بیان بایزید اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مکالمے کی صورت میں ہے۔اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرنے کے لئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑی محنت کرکے کوہ طور پر جانا پڑتا تھا۔لیکن معاذاللہ بایزید کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑی بے تکلفی کا ہے۔وہ جب بھی چاہے اور جس جگہ چاہے اپنا ہر سوال بے دھڑک اللہ تعالیٰ سے پوچھتا ہے۔چاہے وہ سوال انتہائی رکیک اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال وجبروت کے قطعی منافی اور شدید گستاخی اور بے ادبی پر مبنی کیوں نہ ہو۔اختصار کی خاطر دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

بایزید اللہ تعالیٰ سے پوچھتا ہے۔

۱۔ اے سبحان! اپنے فرمان سے مجھے یہ بتا کہ کن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا جواب

اے بایزید! پیشاب کرنے،منی۔مذی اور ودی کے نکلنے سے اور حیض نفاس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جب کہ یہ چیزیں سامنے والی اندام نہانی سے خارج ہوتی ہیں اور پچھلے اندام مخصوص سے پاخانہ اور ہوا خارج ہونے پر وضو ٹوٹ جاتا ہے[2]

بایزید کا دوسرا سوال

۲۔ اے سبحان! اپنے فرمان سے مجھے غسل کے فرض۔واجب سنت اور مستحب بتادے

---

[1] رود کوثر ص ۵۶ [2] خیر البیان ص ۱۰۱

۲۸۰

اللہ تعالیٰ کا جواب

۲۔ اے بایزید! منی کے نکلنے حیض اور نفاس سے۔ اور اندام نہانی میں عضو مخصوص کے داخل ہونے سے غسل فرض ہو جاتا ہے[۱]۔

یہ ہے بایزید کے مذہبی مسائل کا ایک نمونہ جس کی بنا پر ہمارے بعض ادیب اس کی تحریروں میں مذہبی مسائل کے ذکر کو اس کا ایک کارنامہ سمجھتے ہیں ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ساز　　بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

طوالت سے بچنے کی خاطر اب مختصراً بایزید کے عقائد کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

بایزید کے عقیدے میں شریعت تاریکی ہے اور طریقت، حقیقت اور معرفت روشنی ہے۔ مگر زیادہ تعجب اور افسوس کی بات یہ ہے کہ اس نے اپنے مقصد کے لئے اپنی طرف سے ایک حدیث گھڑلی ہے۔ اور نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ کہا ہے۔ کہ یہ نبی علیہ السلام کی حدیث ہے۔ بایزید کی عبارت یہ ہے۔

۱۔ الشریعۃ کمثل اللیل والطریقۃ کمثل النجوم و الحقیقۃ کمثل القمر والمعرفۃ کمثل الشمس لیس فوق الشمس شیئ نبی ویلی دی علیہ السلام[۲]

ترجمہ۔ شریعت کی مثال رات کی طرح ہے اور طریقت کی مثال ستاروں کی اور حقیقت کی مثال چاند کی اور معرفت کی مثال سورج کی طرح ہے۔ سورج سے اوپر کوئی چیز نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام نے کہا ہے۔

بایزید کا دعویٰ تھا کہ وہ سارے زمانے کے لئے پیر تمام اور پیر کامل ہے۔ اور لوگوں پر اس کی جان و مال سے بہت خدمت کرنا فرض ہے۔ اس مقصد کے لئے اس نے اپنی طرف سے ایک حدیث نبوی اور ایک حدیث گھڑلی تھی۔ اس کی یہ دونوں خود ساختہ حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ویخدمہ کثیراً بالنفس والمال نبی ویلی دہ علیہ السلام[۳]

ترجمہ۔ اور اس کی یعنی پیر کامل کی جان و مال سے بہت خدمت کرے نبی علیہ السلام نے کہا ہے۔

۲۔ حدیث قدسی۔ جعلت فرضٌ علی الانسان ان یطلبون شیخ الکامل لاجل علم الانبیاء و معرفتی ان کان مکانہ فی الصین او فی العجم او فی الشام[۴]

ترجمہ۔ حدیث قدسی۔ میں نے انسانوں پر شیخ کامل کی طلب فرض کردی ہے علم انبیاء اور اپنی معرفت کے لئے۔ اگرچہ اس کا مقام

---

[۱] خیرالبیان ص ۹۷ [۲] خیرالبیان ص ۶۵۶ [۳] خیرالبیان و صراط التوحید ص ۲۵۱ [۴] ایضاً ص ۴۸

چین میں ہو یا عجم میں یا شام میں ہو۔

اس جعلی حدیث قدسی میں نحوی غلطیوں سے قطع نظر یہ بات قابل غور ہے کہ بایزید جس نئے مذہب کا مدعی تھا اس میں پیر کامل کی طلب فرض قرار دی گئی تھی جب کہ مذہب اسلام میں پیر کامل کی طلب نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ صرف مستحسن اور مستحب ہے۔ اسی طرح بایزید کے مذہب میں اور بھی بہت سے فرائض شامل کر دئے گئے ہیں جو قطعی اسلام کے منافی ہیں۔ لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ بہرحال بایزید کے نزدیک اس جعلی حدیث قدسی سے اس کی اپنی ذات مراد ہے چنانچہ اس کے زعم اور دعوے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بذریعہ کلام و خطاب اس کو مطلع کر دیا تھا۔

۱۔ اس زمانے میں تیرے سوا کوئی اور پیر تمام نہیں۔ تو انبیاء کا وارث اور سچی راہ دکھانے والا ہے۔ تو میرے اس کلام پر یقین کر۔ [۱]

بایزید اس پر بھی قناعت نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی طرف سے ایک اور حدیث گھڑ لی ہے جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو معاذ اللہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمسر اور نظیر ثابت کرتا ہے۔ اور اس طرح پیر تمام کے درجے سے ترقی کر کے مرتبۂ نبوت پہ اپنے آپ کو فائز کر دیتا ہے چنانچہ وہ بڑی جسارت سے لکھتا ہے۔

۲۔ ما من نبیّ الا ولہ نظیر فی امتہ ھر چہ تہ وئیلی دی علیہ السلام [۲]

ترجمہ۔ ہر نبی کے لئے اس کی امت میں اس کی نظیر موجود ہے۔ کہا ہے علیہ السلام نے۔

لیکن ہم مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ امت میں حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر تو کجا انبیاء علیہم السلام میں بھی آپؐ کی نظیر اور مثال موجود نہیں۔ حافظ شیرازی آپؐ کی شان میں کیا خوب فرما گئے ہیں۔

اگرچہ حسن فروشاں بجلوہ آمدہ اند کسے بحسن و لطافت بیارِ ما نرسد

ہم اس موقع پر بایزید کے متعلق مزید تفصیلات میں جانا نہیں چاہتے صرف مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق اس کے چند مذہبی مسائل اور عقائد پیش کئے گئے جن کے آئینے میں ان کی اصل حقیقت بخوبی دیکھی جاسکتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ ہمارے بعض ادیب اور دانشور بایزید کی مذہبی تحریروں کو اس کا ایک کارنامہ سمجھتے ہیں جب کہ تاریخ شاہد ہے کہ بایزید کی مذہبی تحریروں اور عقائد سے تاریکی ہی پھیلی تھی اور آخرکار ملت افاغنہ نے شیخ الافغان حضرت اخوند درویزہ بابا اور شیخ المشائخ پیر باباؒ کی قیادت اور رہنمائی میں اس تاریکی کا مؤثر سدباب کیا۔ اور بحمد اللہ سارے پختونخوا میں اسلام اپنی اصلی صورت اور خدوخال کے ساتھ قائم و برقرار رہا۔

اگرچہ عقل فسون پیشہ لشکرے انگیخت تو دل شکستہ نباشی کہ عشق تنہا نیست

---

[۱] خیر البیان ص ۳۳ [۲] ایضاً

اور ہم میں اسکی شکر گزاری کی اہلیت اور قابلیت پیدا فرمائے۔ اور شکر گزاری کی صورت یہ ہے کہ ہم اتباع اقوال و افعال و احوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کریں۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ اور اشاعتِ دین اور احادیث کیلئے جان توڑ کوشش کریں۔ اور ذَبٌّ عن الدین و مدافعت عن الدین کیلئے انتہائی کوششیں استعمال میں لائیں۔ قیامت کی علامات میں بڑی علامت رفع العلم ہے۔ حقیقت بین نگاہوں کو معلوم ہے کہ وہ اکابرین اور عاملین علماء دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اور بدقسمتی سے ان کی جگہیں خالی پڑی رہ جاتی ہیں۔ یُرْفَعُ العِلْمُ وَیَظْھَرُ الجھل۔ وہی دور ہے۔ ایسے وقت میں ہم سب کا یہ فرض ہے کہ ایک ایک حدیث کی اشاعت کیلئے انتھک کوشش کریں۔ تو اللہ جل جلالہ اس کو ہمارے لئے ذریعۂ تجارت بنائیگا۔ اور انشاء اللہ اس خوشخبری اور اس دعا کا کہ نضر اللہ امرءً سمع مقالتی فوعاھا وادّاھا کما سمعھا۔ اس کا اللہ تعالیٰ ہم کو مصداق بنائے گا۔

اس وقت دین کی اعلاء اور کلمہ حق پہنچانے کیلئے جو اخلاص وللہیت کے ساتھ ہو یہ بہت اشد ضرورت اور بہترین موقعہ ہے۔ اور اس موقعہ پر تھوڑی سی غفلت اور سستی یہ دنیا کی تباہی اور بربادی کا ذریعہ بنے گی۔ آپ نے خود بخاری شریف کی کتاب العلم میں پڑھا ہے۔ کہ قیامت تب آئے گی جب علماء دنیا سے اٹھ جائیں۔ جب علماء ختم ہوگئے تو قیامت آئے گی۔ قیامت عبادت ہے دنیا کی تباہی سے کل عالم کی تباہی رفع علم سے آئے گی۔ ایک علم کی نہ اشاعت اور ایک مسئلہ کی نہ اشاعت اور کوتاہی میں گویا ہم دنیا کی تباہی کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا وبال ہے۔ اور یہ تمام وبال ہم پر ہوگا۔ اللہ بہت قدردان اور شکور ہے۔ آپ کی اور ہماری یہ ٹوٹی پھوٹی کوشش انشاء اللہ رائیگاں نہیں کرے گا۔ اللہ اس کو ذریعۂ اشاعتِ علم بنائے۔

مجھ کو اس بات کا بہت افسوس ہے کہ میں نے بیماری کے باعث اس سال کے آخری ایام میں آپ کا ق خدمت ادا نہیں کرسکا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اساتذہ کرام کے درجات بلند فرمائے کہ انہوں نے اپنا متعلقہ حصہ بھی را کیا اور میرے متعلق بھی جو حصہ تھا حدیث کا وہ بھی پورا کیا۔ اللہ تمام اساتذہ تمام طلبہ اور تمام فضلاء کے درجات ند فرمادے۔ میں خود اس ختم میں حاضر ہوتا۔ لیکن ڈاکٹروں کی ممانعت اور ضعف و بیماری کے باعث حاضر نہ ہو سکا۔ لیکن بخاری شریف کے خواص میں سے ایک بڑا خاصہ یہ ہے کہ اس کے ختم کے موقعہ پر جو دعا مانگی جائے گی ند اس کو قبول فرماتے ہیں۔ اور اس پر اللہ مشکلات حل فرماتے ہیں۔ میں آپ کو دعا کروں گا۔ کہ اللہ آپ میں ے ہر ایک کو منبع علوم اور سرچشمۂ علوم دینیہ بنائے اور ہر ایک کو ذکاوت و حافظہ اور قابلیت نصیب ے۔ اور آپ حاضرین اپنی دعاؤں میں یہ دارالعلوم یہ اساتذہ یہ عملہ یہ طلبہ اور تمام معاونین فراموش نہ کریں۔

مرثیہ

شیخ القراء مولانا قاری حبیب اللہؒ

نتیجۂ فکر

حضرت صاحبزادہ مولانا حافظ محمود حافظ (فاضل دارالعلوم حقانیہ)
خانقاہ شاہ عبدالحلیم صاحب قدس سرہ پنیالہ ضلع ڈیرہ اسمٰعیلخان

"وفات حضرت قاری وفات یک کس نیست"

دلم بفوت حبیبؒ خدا پریشان گشت — چنانچہ ماہی بے آب پیچ و تابان گشت
ہماں حبیبؒ کہ سبقت ربود از اقران — کہ ہند و پاک ز انوار او درخشان گشت
علی الخصوص کراچی کہ از فیوض شان — بکوچہ کوچہ درود درس پاک قرآن گشت
بجاست گر بکند سندھ فخر بر ذاتش — کہ قریہ قریہ ز انفاس او گلستان گشت
او بود شاطبی وقت در قراءت عشر — زبس مہارت قرآن امام ذکوانؒ گشت
کلام پاک چو خواندی بصوت داودی — دل[1] از مہابت و تن از جلال لرزان گشت
جو باز نغمۂ شیریں درد بیا میختی! — نہ دل کہ روح ہوا دار فضل یزدان گشت
چو[2] بسط مسئلہ کردی بہ پیش طالب علم — برائے فہم بنغمہ سرائے فرقان گشت
وفات حضرت قاریؒ وفات یک کس نیست — زعلم قریۂ معمور بود ویران گشت!
بیاد بس کن حافظ کہ این محاسن شیخؒ — نہ آن محیط کہ سابح درو بہ پایان گشت
بصبر کوشش عنایت بعید اسے رضوان — کہ این شعار وراثت مراد پاکان گشت

---

[1] اشارہ الی قولہ تعالیٰ تقشعر منہ جلود الذین یخشون (الآیۃ)
[2] یعنی اولاً پیش طالب علم را بیان مطلب کتاب کردی بعد ازاں وضاحتاً ادائے آن کردی۔

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کی
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ،
EAGLE
IRIDIUM
ہر
جگہ
دستیاب
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

کنول لنن، صنم پاپلین
بے نظیر پاپلین
کہکشاں پرنٹس
سنگم بوسکی
پائیدار پاپلین
کمانڈر پاپلین
پریذیڈنٹ لان
جمال ۳۰۰۰ پاپلین
جمال ۵۰۰۰ لان
ٹو بائی ٹو ڈرل
صنم فلیکس پاپلین
پولی گارڈ
سوٹنگ
دِلکش
دِلنشیں
دِلفریب
حسین
کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی،
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حسین کے پارچہ جات،
شہر کی ہر بڑی دکان پر،
دستیاب ہیں۔
HUSEIN
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن
جوبلی انشورنس ہاؤس، آئی آئی چندریگر روڈ کراچی
HTM—1/77
(CCI) Crescent

SOHRAB
P.C.I.C.S. LTD
پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سُہراب

افکار و تاثرات

دیارِ غیر میں اسلام دشمن سرگرمیاں ، تضحیک اغیار کا سامان جن دوستوں کو انگلینڈ کے پروگرام کے دوران خطوط لکھنے کا ارادہ تھا۔ اس میں آپ کا اسم گرامی بھی شامل تھا۔ مگر آپ کے ذوق اور آپ کے موقر جریدہ الحق کی پالیسی کو بھی پیش نظر رکھنا تھا۔ اس لئے اب دورہ کے اختتام پر دو باتوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔ بے شک میرا خط بھی شائع فرما دیں۔ اور میری معروضات پر اداریہ ضرور سپرد قلم فرمائیں۔ تاکہ آپ کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ باطل پرستوں کے لئے جوصلہ شکن ہو سکے۔

محترم مولانا! یہاں سرزمین برطانیہ میں جس قدر مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔ نورانی میاں اور عبدالستار صاحب نیازی کے حالیہ دورہ میں پاکستان کی طرح کافرسازی اور مسلمانوں کی ایک دوسرے کے خلاف باہمی نفرت پیدا کرنے کی وہ مذموم کوشش کی گئی جس سے گھر گھر مسجد مسجد میں فساد برپا ہو گیا۔ ان کی تقریروں میں علمائے دیوبند اور تبلیغی جماعت پر کفر کے فتووں کی خصوصی یلغار ہوتی تھی جس سے ہزاروں دل ٹوٹے اور مسجدوں کو تالے پڑ گئے۔ ابھی نورانی میاں تکفیری مہم سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ان کے ایک دست راست لاؤ لشکر لے کر لندن پہنچ گئے۔ انہوں نے آتے ہی سنّی کانفرنس برمنگھم میں یہ مطالبہ کر کے اور بھی اسلام اور پاکستان کا مذاق اڑایا۔ کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو کھلا اور عام شہر قرار دیا جائے۔ اور سعودی حکومت کے کنٹرول سے ان شہروں کو آزاد کرایا جائے۔ اس سے پورے برطانیہ میں پاکستان کے خلاف ایک نفرت پیدا ہوئی کہ کیا پاکستانی عوام اور علماء مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو عام اور کھلا شہر قرار دینا چاہتے ہیں۔ کیا پاکستانیوں کے دلوں میں حرمین شریفین کا کوئی احترام نہیں ہے؟ معاذ اللہ! حضرت مولانا خالد محمود صاحب اور اس گناہ گار نے اپنی تقریروں اور کانفرنسوں میں بہتیرا مسلمانانِ برطانیہ کو سمجھایا کہ یہ پاکستان کے علماء اور عوام کی آواز نہیں ہے بلکہ چند مخصوص خیالات رکھنے والے پیٹ پرست لیڈروں کے خیالات ہیں۔ مگر ان حضرات کی پھیلائی ہوئی زہر کے اثرات سے برطانیہ کی فضا اب تک کشیدہ ہے جس کی جس قدر مذمت کی جائے وہ کم ہے۔

ابھی ان لوگوں کے زہریلے اثرات موجود ہی تھے کہ مرزا ناصر احمد قادیانی بھی لندن پہنچ گئے اور انہوں نے آتے ہی ایک پریس کانفرنس میں بڑی بے باکی سے اعلان کر دیا کہ پاکستان میں قادیانیوں کو اس لئے اقلیت قرار نہیں دیا کہ

وہاں قادیانیوں کو غیر مسلم سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ تو چند حکمرانوں کی پسند یا ناپسند کا مسئلہ تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس قرارداد کو منسوخ کردیا ہے ـــــ اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ بیت المقدس کا مسئلہ کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ دنیا میں اس سے بھی بڑے بڑے مسائل موجود ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت احمدیت کی تحریک کو نہیں دبا سکتی بستی کانفرنس کی قرارداد کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو عام کھلا شہر قرار دیا جائے اور مرزا ناصر احمد کا بیت المقدس کے مسئلے کو غیر اہم قرار دینا ایک ہی تال کے دو سُر ہیں۔ ملت اسلامیہ کو اس پر سوچنا چاہئے۔ کہ یہ ارض مقدس کے خلاف کسی اور مکروہ سازش کی تیاری تو نہیں کی جا رہی ـــــ اس لئے میں نے آپ کو نہایت ہی دلسوزی سے توجہ دلائی ہے۔ اس کی پورے ملک کے خطبات جمعہ میں پرزور مذمت کی جائے۔ دینی رسائل اور جرائد میں اس پر پوری جرأت اور قوت سے قلم اٹھایا جائے بے شک پاکستانی علماء کرام اور عوام کے نام میرا یہ کھلا خط شائع فرماکر ایک زوردار اداریہ تحریر فرمائیں۔ تاکہ آپ کا جوان اور بے باک قلم باطل کے خرمن کو جلا کر راکھ کر دے۔

مخدومی حضرت مولانا عبدالحق صاحب زید مجدکم کو سلام عرض کرنا۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ اور ان کا سایہ تا دیر ہم پر قائم رکھے۔ میں اب تک آپ کی دعا سے ساٹھ تقریریں کرچکا ہوں۔ جن میں برطانیہ کے بڑے بڑے شہروں کی کانفرنسیں اور تاریخی اجتماعات بھی شامل ہیں۔ الحمدللہ توحید و سنت کے احیاء اور علمائے حق کی خدمات کے اعتراف سے پورے برطانیہ میں احباب کو حوصلہ ملا ہے۔ پورے برطانیہ کے علماء کرام سرگرم عمل ہوگئے ہیں۔ علامہ مولانا خالد محمود صاحب کی سرپرستی میں یہ قافلہ رواں دواں ہے۔ ۱۸ نومبر تک انشاء اللہ حج کے لئے روانہ ہوجاؤں گا۔ اور وہاں ایک ماہ کے لئے متحدہ عرب امارات کا دورہ کرکے وطن واپس پہنچوں گا۔

خاکپائے اکابر۔ مولانا ضیاء القاسمی۔ مانچسٹر انگلینڈ

عبدالرحمان بابا کی تاریخ وفات | "الحق" جون ۸۰ء کا شمارہ زیر نظر ہے۔ اس شمارے کے صفحہ ۳۳ پر محترم وحید الرحمن شاہ صدر شعبہ اسلامیات گورنمنٹ کالج پشاور کا "فوائد شریعت" کے سلسلہ میں "پشتو ادب کی ایک پرانی فقہی کتاب" کے زیر عنوان پر مغز اور معلوماتی تحریر درج ہے۔

"الحق" کو مابعد کے زمانہ میں بطور سند شہادت ضرور پیش کیا جائے گا۔ "الحق" کی معلوماتی۔ اخلاقی۔ مذہبی مضامین کی بابت شک و شبہ بالہر انداز امکان ہے۔ اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ تاریخی واقعات کا ذکر کروں۔ فاضل مضمون نگار نے حضرت رحمان بابا کی تاریخ وفات کا ذکر صفحہ ۳۳ سطر چار میں کی ہے کہ رحمان بابا کی تاریخ وفات ۱۱۱۸ھ ہے۔ حالاں کہ خود رحمان بابا اس کی تردید فرما رہے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات ۱۱۱۹ھ ہے۔ رحمان بابا نے ان کا مرثیہ لکھا ہے۔ عالمگیر کے دو بیٹوں اعظم اور شاہ عالم کی لڑائی کا ذکر کیا ہے۔ جو بمقام جاجو ہوئی تھی جو وسط ۱۱۱۹ھ ہے۔ گل خان اور جمال خان کے مابین حادثہ فاجعہ کا ذکر کیا ہے۔ جو بقول میجر راورٹی ۱۱۲۳ھ میں وقوع

پذیر ہوا۔ مرثیہ اورنگ زیب میں رحمان بابا کا شعر ہے جس کا ترجمہ ہے کہ بچپن ۵۵ سے زیادہ عمر کے ہوا اور نا حال خود کو پیسر (بچہ) سمجھتے ہو۔ گویا ۱۱۱۹ھ میں ان کی عمر ۵۵ برس تھی۔ اگر ان کی عمر ۸۳ برس تصور کی جاتے تو تاریخ وفات ۱۱۲۸ھ ہو سکتی ہے۔ بہرحال ۱۱۱۹ھ مرثیہ اورنگ زیب۔ ۱۱۲۳ھ حادثہ گل خان جمال خان ذکر کرکے اپنی زندگی کا ثبوت دیا ہے۔ التماس ہے کہ اس کی تصحیح ہو۔ مبادا کل کلاں کوئی رحمان بابا کی وفات کے سلسلہ میں "الحق" کو بطور ثبوت پیش کرے۔

محمد نواز خٹک صادق آباد۔ ضلع مردان

قبرص | موتمر العالم اسلامی کے زیر اہتمام قبرص کے عالمی کانفرنس میں شرکت کے لئے کراچی سے گذرا۔ نگاہیں شناساؤں کے لئے ترس رہی تھیں۔ آپ سلام سب کو پہنچا دیجئے۔ الحق ملتا ہے تو شفقت و محبت کی بو ہر صفحہ سے آتی ہے۔ اور شیخ الحدیث مدظلہ کی باتیں روحانی زندگی کا سبب۔ ۶۴۸ھ میں مسلمانوں نے قبرص فتح کیا۔ حسین و جمیل جزیرہ ہے۔ مسلمانوں کی قدیمی عمارات، مساجد آج تک کھڑی ہیں۔ برطانیہ کے قبضے کے بعد رومی مسلمانوں کی قوت بڑھ گئی اور مسلمان مجبور و مقہور رہا۔ ۷۴ء میں ترکوں نے قبرص کا شمالی حصہ آزاد کرا کے مسلمانوں کی ایک نئی حکومت بنائی اسی حکومت کی حالت دیکھنے کے لئے یہ کانفرنس منعقد ہوئی۔

(مولانا) محی الدین خان۔ مدیر مدینہ ڈھاکہ۔ بنگلہ دیش

قاری عبدالمالک کا سوانحی مواد | امام التجوید قاری عبدالمالک صاحبؒ کی سوانح ترتیب کے آخری مراحل میں ہے قاری صاحب کے متعلقین سے التماس ہے کہ ان کے متعلق جو مواد ان کے ہاں موجود ہو اسے مضمون کی صورت میں مرتب کرکے جلد ارسال فرمائیں۔ نیز ان کے خطوط جن اصحاب کے پاس ہوں وہ بھی ارسال فرمائیں۔ فوٹو کاپی کے بعد واپس کر دئے جائیں گے۔ پتہ

مولوی قاری محمد عارف ایم اے خطیب مسجد ہاسٹل کے ای میڈیکل کالج لاہور

تنظیم فضلاء حقانیہ کراچی کا اجلاس | تنظیم فضلاء حقانیہ کراچی کا اجلاس مرکزی دفتر مسجد قدسیہ ناظم آباد میں زیر صدارت مولانا حسین احمد حقانی منعقد ہوا جس میں دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ کے انعقاد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو مبارکباد پیش کی گئی۔ اور اکابرین ملت سے درخواست کی گئی کہ پاکستان میں بھی جشن صد سالہ دارالعلوم دیوبند منانے کے لئے مختلف بڑے بڑے شہروں میں اس قسم کے عظیم اجتماعات کا بندوبست کیا جائے۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی صحت یابی کے بعد دوبارہ درس حدیث شروع کرنے پر خوشی و مسرت کا اظہار کیا گیا۔

فضلاء حقانیہ کی سرگرمیاں | تعطیلات کے موقع پر دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء ملک کے طول و عرض میں دورہ تفسیر

اور دیگر علوم پڑھانے کی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔امسال ماہ شعبان اور رمضان المبارک کے موقع پر جامع مسجد سرجان چوک یادگار پشاور میں مولانا سید مظفر شاہ فاضل حقانیہ نے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کی طرز پر اور شیخ التفسیر مولانا عبدالحلیم دیروی فاضل و مدرس حقانیہ) نے کوہاٹ میں حضرت لاہوریؒ کی طرز پر دورہ تفسیر پڑھانے کی خدمات سرانجام دیئے۔اس طرح دونوں جگہوں پشاور اور کوہاٹ میں۔ احقر نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے قائم کردہ سلسلہ " جدید علم کلام " پر درس دینے کا اہتمام کیا۔اس سلسلہ میں رد اشتراکیت سرمایہ داریت مستشرقیت اور احادیث پران کے اعتراضات۔اسلامی ضابطہ حیات اور دیگر اہم مختلف عنوانات پر بھی لیکچر دیئے۔ دورہ تفسیر اور جدید علم کلام سے مختلف علماء مدارس عربیہ کے طلبہ اور کالجوں، یونیورسٹیوں کے طلبہ نے خصوصی استفادہ کیا۔

سید نصیب علی شاہ بخاری فاضل حقانیہ

عظمت صحابہ و اکابر کا تحفظ | سنی سٹوڈنٹس آرگنائزیشن صدر پاکستان کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے جن کی مخلصانہ جدوجہد کے نتیجہ میں عظمت صحابہ کے تقدس کا آرڈیننس نافذ ہوا اور زکوٰۃ آرڈیننس میں شرعی ترامیم کی گئیں۔یہ تنظیم خلفائے راشدین کے ایام کو سرکاری سطح پر منانے کا مطالبہ کرتی ہے ۔

محمد طاہر صدیقی۔ڈیرہ اسمٰعیل خان

سفر چین پر مسرت | آپ کے تبلیغی دورہ چین جملہ حقانی فضلاء کے لئے مسرت کا پیغام ہے ۔مبارکباد قبول کیجئے ۔

سید نصیب علی شاہ بخاری فاضل حقانیہ

★ خدا کرے مولانا چین کے دورے سے بعافیت اور کامیاب لوٹے ہوں۔اللہ تعالیٰ افضل جہاد پر عمل کی توفیق سے نوازے۔

مولانا رشید الدین مراد آباد۔انڈیا

★ چین کے اس عظیم اعزازی سفر پر جانے پھر بخیر وخوبی و کامیاب بامراد واپسی پر مبارکباد قبول کیجئے۔ہم آپ کے اس طرح کے اسفار پر خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

مولانا لطافت الرحمان بہاولپور

★ چین کا سفرنامہ ضرور تحریر کیجئے ۔ابھی تک کسی نے دینی رنگ میں چین کے تاثرات بیان نہیں کئے۔سفرنامہ ہند بھی آپ نے نہ لکھا جو ضروری تھا۔

طلعت محمود۔راولپنڈی

جولائی کے الحق میں ڈاکٹر مضیفی ابراہیم کا مضمون اسلام دشمن تحریکیں چھپا ہے میں اس مضمون میں ایک بات سے اختلاف کرتا ہوں کہ ہٹلر نہ یہودی مخالف اشتراکی جس کے لاکھوں ثبوت مہیا کئے جا سکتے ہیں سب سے بڑا ثبوت اس کی خود نوشت کتاب MEIN KAMPH ہے۔ایسے معیاری رسالہ میں ایسے غیر معیاری مضامین نہ چھاپا کریں ۔ ایم صحافی۔کے۔رتہ امرال۔راولپنڈی

شفیق فاروقی

دارالعلوم کے شب و روز

مجلس شوریٰ کا سالانہ جلسہ | ۲۹ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۹ ر اکتوبر بروز جمعرات دارالعلوم حقانیہ کے وسیع کتب خانہ ہال میں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس جناب الحاج رسول شاہ صاحب کاکاخیل منعقد ہوا جس میں مجلس شوریٰ کے ارکان نے کافی تعداد میں شرکت کی۔ مولانا قاری سعید الرحمان صاحب اور مولانا قاری محمد یعقوب صاحب راولپنڈی کی تلاوت کلام کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے طلبہ علوم نبویہ کی سرپرستی کی عنداللہ اجر و منزلت پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے دارالعلوم کے ان معمر اور بزرگ ارکان کا خاص طور سے ذکر کیا جو اس ضعف اور بڑھاپے کے باوجود دارالعلوم سے محبت کی خاطر تشریف لائے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ آپ کے مخلصانہ اعمال کا نتیجہ ہے کہ یہ مساعی دارالعلوم میں صرف تدریس و تعلیم کی شکل میں نہیں بلکہ ملک بھر میں افتاء و تبلیغ کے ساتھ جہاد کے میدان میں بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔ آج دارالعلوم کے فضلاء جہاد افغانستان میں بھی صف اول میں روس جیسی طاقت سے برسرپیکار ہیں۔ اور طلبا کی ایک بڑی تعداد دارالعلوم میں تعلیم کے ساتھ ساتھ جہاد افغانستان میں بھی شریک ہو کر اپنے فریضہ سے عہدہ برآ ہو رہی ہے۔ ملک کی ممتاز اور اونچی عدالتیں بھی شرعی مسائل میں دارالعلوم کی طرف رجوع کرتی اور اس کے فتووں کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ دارالعلوم کے ساتھ جانی مالی قولی اور قلمی تعاون کر رہے ہیں اللہ کے ہاں اس کی بڑی قدر ہے اور آج باطل کے ہر محاذ پر بالخصوص جہاد افغانستان کی شکل میں اس کے برکات ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد دارالعلوم کے ان تمام مرحوم معاونین ارکان کو جو علمی و دینی شخصیتیں قریبی عرصہ ہوا انتقال فرما گئی ہیں کے لئے اجلاس میں دعائے مغفرت کی گئی اور اظہار تعزیت کیا گیا۔ بالخصوص جناب الحاج شیر افضل خان صاحب بدرشی۔ جناب مولانا غلام اللہ خان صاحب شیخ القرآن۔ جناب مولانا احتشام الحق تھانوی کراچی۔ جناب میاں خادم شاہ صاحب کاکاخیل۔ جناب مولانا شفیع احمد صاحب سابق مدرس دارالعلوم حقانیہ۔ اور بالخصوص دارالعلوم حقانیہ کے وہ بے شمار ممتاز علما اور طلبا

جو جہادِ افغانستان میں شہید ہوئے۔ ان سب کے لئے دعائے مغفرت کی گئی اس کے بعد حضرت مدظلہ العالی کی طرف سے جناب مولانا سمیع الحق صاحب نے دارالعلوم کی سالانہ کارگذاری مصارف اور مدات آمد وخرچ پر مفصل رپورٹ پیش کی۔ آپ نے بتلایا کہ سال گذشتہ ۱۳۹۹ھ میں دارالعلوم کو مختلف مدات سے دس لاکھ چھیالیس ہزار پانچ سو اکتیس روپے ۱۰ پیسے آمدنی ہوئی جب کہ مختلف تعلیمی، تبلیغی و انتظامی شعبوں پر سات لاکھ ستتر ہزار دو سو چار روپے، ۵ پیسے صرف ہوئے۔ سال رواں کے لئے آپ نے آٹھ لاکھ اٹھارہ ہزار سات سو دو روپے کا میزانیہ پیش کیا۔ زیر نظر میزانیہ میں موجودہ فنڈ کی رو سے کمی کے باوجود اجلاس نے توکلاً علی اللہ متوقع آمدنی کے پیش نظر منظور کیا گیا۔ ارکانِ شوریٰ نے بجٹ پر اظہار خیال کرتے ہوئے دارالعلوم کے بجٹ اور محتاط میزانیہ اور کمی بیشی کی تفصیلات کو مثالی بجٹ قرار دیا اور کہا کہ ایسا بجٹ نہ نجی اداروں میں ہوتا ہے اور نہ سرکاری اداروں کا بلکہ جو کام دوسرے اداروں میں خطیر رقم سے نہیں ہوتا وہ یہاں نہایت کفایت شعاری سے ہو رہا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ حضرت شیخ الحدیث کی تجویز اور سفارش پر اجلاس کے ذیلی کمیٹی نے بعد از ظہر دارالعلوم کے تمام اساتذہ اور دیگر شعبوں کے تمام عملہ کی تنخواہوں میں معقول اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا (نقشہ آمد وخرچ اور میزانیہ ۱۴۰۰ھ منسلک ہے۔) اجلاس میں شرکت کرنے والے بعض حضرات کے نام یہ ہیں:۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ۔ الحاج میاں رسول شاہ کاکاخیل۔ الحاج میاں اکرم شاہ صاحب کاکاخیل۔ الحاج مولانا ولایت شاہ صاحب کاکاخیل۔ مولانا قاری سعید الرحمن صاحب راولپنڈی۔ حاجی محمود صاحب راولپنڈی۔ جناب کرنل عبدالجبار صاحب مردان۔ حکیم خاکی استاد صاحب۔ جناب یعقوب شاہ بادشاہ۔ جناب حاجی مطیع الرحمان صاحب مردان۔ جناب مولانا عبدالحنان صاحب۔ جناب ڈاکٹر صاحب۔ شاہ صاحب۔ حاجی سیف الرحمان صاحب جہانگیرہ۔ میاں مراد گل کاکاخیل۔ جناب مولانا طاؤس خان صاحب۔ جناب مولانا مجاہد الحسینی صاحب نوشہرہ۔ قاری محمد یعقوب صاحب۔ جناب غضنفر صاحب راولپنڈی۔ جناب الحاج محمد جہاں صاحب۔ مولانا غلام حیدر صاحب۔ الحاج حضرت جمال صاحب لاہور۔ جناب ممتاز خان صاحب۔ جناب افسر بہادر رشید و جناب محمد عباس خان صاحب۔ حاجی محمد یوسف صاحب۔ جناب حکیم بادشاہ گل صاحب۔ سید نور بادشاہ صاحب۔ جناب الحاج رحمان الدین صاحب۔ الحاج کرم الٰہی صاحب۔ الحاج غلام محمد صاحب اکوڑہ خٹک۔ مولانا محمد کریم صاحب افغانی۔ الحاج مسنقر صاحب۔ الحاج مولانا دوست محمد صاحب پبی۔ جناب محمد مشتاق صاحب راولپنڈی۔ مولانا شاہ سید صاحب پشاور۔ حاجی قریب اللہ مردان۔ مولانا حبیب اللہ صاحب ننگی۔ مولانا قاضی فضل دیان عمرزئی۔ ڈاکٹر خیر محمد صاحب۔ مولانا عبدالحنان صاحب۔ مولانا عبدالرشید صاحب۔

جناب بار حسین صاحب۔ مولانا نور محمد صاحب نور ڈھیر۔ جناب فضل وہاب صاحب اور جناب ناصر خان صاحب۔

نئے تعلیمی سال کا آغاز | ۱۱ر شوال کو دارالعلوم کے تعلیمی سال کا آغاز دارالحدیث میں ختم کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ترمذی شریف سے اسباق کا افتتاح کرتے ہوئے طلبہ سے فضیلت علوم دین اور دینی و ملی تقاضوں پر مبسوط خطاب فرمایا۔ ملک و بیرون ملک تمام معاونین دارالعلوم کے لئے دعائیں کی گئیں۔ بالخصوص عالم اسلام کے اتحاد اور افغانستان میں برسر پیکار مجاہدین کی فتح۔

اس وقت اسباق پورے گرماگرمی سے شروع ہو چکے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ بھی ترمذی شریف اور بخاری شریف کچھ حصے بحمد اللہ باقاعدگی سے پڑھا رہے ہیں۔ دورہ حدیث کی تعداد ستو سے متجاوز ہو چکی ہے جب کہ ابھی طلبہ کی آمد آمد ہے۔

مولانا سمیع الحق کا سفر چین | مولانا سمیع الحق صاحب جو عوامی جمہوریہ چین کی دعوت پر ایک وفد میں ۲۸ر اگست کو چین کے سفر پر گئے۔ بیکنگ۔ سنکیانگ۔ شنگھائی۔ کنٹین کا کامیاب اور معلومات آفریں دورہ کرنے کے بعد ۱۹ر اگست کو بخیر و عافیت واپس ہو گئے۔ آپ نے دور دراز علاقوں میں مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ کیا۔ اس اہم سفر کو دارالعلوم حقانیہ اپنے لئے موجب فخر و اعزاز سمجھتا ہے۔ اور دارالعلوم کے حلقوں اور قارئین الحق اس پر بڑی مسرت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

★ دارالعلوم کے ایک جید و ممتاز استاذ حضرت مولانا فضل مولی صاحب اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ایک فرزند برادرم اظہار الحق صاحب سفر حج پر تشریف لے گئے ہیں۔

نقشہ میزانیہ دار العلوم حقانیہ (اکوڑہ خٹک) برائے سال رواں ۱۴۰۰ھ و اخراجات ۱۳۹۹ھ

	اخراجات سال ۱۳۹۹ھ		میزانیہ سال ۱۴۰۰ھ	
مطبخ	۴۸	۱,۸۱,۸۱۹	۰۰	۱,۹۱,۰۰۰
ڈاک	۹۰	۲,۷۸۴	۰۰	۳,۵۰۰
نقد امداد	۰۰	۲۵۰	۰۰	۴۰۰
کرایہ مکانات	۰۰	۵۳۰	۰۰	
روشنی معہ فٹنگ	۳۰	۱۳,۳۲۸	۰۰	۱۵,۰۰۰
رسائل و اخبارات	۵۵	۷۰۱	۰۰	۹۰۰
اشاعت	۵۰	۱۶۳۷	۰۰	۱۳۰۰
امتحانات	۵۵	۱۱۴۲	۰۰	۸۰۰
کتب خرید و مرمت	۶۲	۲۶۹۱	۰۰	۵۵۰۰
باغیچہ	۰۰	۳۸۵	۰۰	۲۵۰
صابن	۹۰	۲۷۸۱	۰۰	۴۱۰۰
سفارت	۹	۱,۷۱,۴۸۰	۰۰	۴۶۰۰۰
سٹیشنری	۵۰	۱۰۴۸۰	۰۰	۲۰۰۰
تنخواہ معہ الاؤنس	۲۷	۱,۸۸,۷۱۵	۰۰	۲,۲۲,۰۰۰
تعلیم القرآن	۳۱	۳۹,۷۹۶	۰۰	۵۳۵۰۰
مرمت واٹر پمپ	۰۰	۵۷	۰۰	۴۰۰
خرید نیا سامان و مرمت سامان	۵	۵,۴۶۹	۰۰	۷,۰۰۰
آب رسانی	۵۰	۱۳۴	۰۰	۱,۳۵۰
آمد و رفت	۶۵	۳۰۴۸	۰۰	۴,۵۰۰
تعمیر دار الاقامہ	۸۴	۲۴۵	۰۰	۵۰,۰۰۰
مرمت تعمیر مسجد	۸۰	۱۹,۹۰۳		
تعمیر دار المدرسین	۲۲	۸۲,۱۱۶	۰۰	۷,۰۰۰
تعمیر کتب خانہ	۵۰	۵,۵۰۳		
پلاٹ بنوائی	۰۰	۰۰	۰۰	۰۰
مرمت تعمیرات	۴۵	۴,۴۷۸	۰۰	۲۵۰۰۰
ٹیلیفون	۵۸	۶,۶۳۹	۰۰	۷۰۰۰
آڈٹ فیس	۰۰	۲۵۰	۰۰	۲۵۰
وفاق المدارس فیس	۰۰	۴۱۵	۰۰	۴۱۵
ریکارڈنگ درس	۰۰	۱۶	۰۰	۱۰۰
لاؤڈ سپیکر خرید	۰۰	۲,۲۹۹	۰۰	۱۰۰
تبلیغ	۹۰	۱,۹۳۲	۰۰	۲۰۰۰
ماہنامہ الحق	۹۶	۷۷,۷۷	۰۰	۸۰,۰۰۰
تنظیم الفضلاء	۰۰	۲۰۰		
سوئی گیس	۵۰	۲۱,۸۷۳	۰۰	۱۲,۰۰۰
بنک کمیشن	۵	۱۹		
لائسنس بندوق			۰۰	۷
	۹۷	۷,۷۷,۲۰۴	۰۰	۸,۱۸,۷۰۳

BREAD
B.P.
B.P.
FRUIT BUN
FRUIT CAKE
B.P.
B.P. (LAHORE) LTD. LAHORE
B.P.
B.P. (LAHORE) LTD.
LAHORE